مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

فَيْضُ السَّمَاءِ فِيْ أُحْكَامِ صَلَاةِ النِّسَاءِ

عورت کی نماز

حدیث اور فقہ کی روشنی میں

از: قلم

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

النَّاشِرُ

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

نام کتاب	:	عورت کی نماز؟
مصنف	:	حضرت مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
صفحات	:	۸۴
تاریخ طباعت	:	رجب المرجب ۱۴۳۵ھ مطابق مئی ۲۰۱۴ء
ناشر	:	مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور
موبائل نمبر	:	9634307336 \ 9036701512
ای۔میل	:	maktabahmaseehulummat@gmail.com

فہرس

عنوان	صفحہ

عورت کی نماز — حدیث وفقہ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التقریظ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی زید مجدہم

استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ وأصحابہٖ أجمعین .أمابعد

ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی علمی بے مائیگی ؛مگر تصورِ ہمہ دانی کی بنا پر اس بات پر مُصِر ہے کہ مرد وعورت کا طریقۂ نماز یکساں ہے اور فقہِ حنفی کی روشنی میں جو عورتیں رکوع ، سجدے ، قعدے وغیرہ میں مردوں سے کچھ مختلف طریقے کی پابند ہیں، ان کی نمازیں ناقص اور غیر مکمل ہیں، جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں، جن میں مردوں اور عورتوں کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں، قرآن وحدیث اور فقہائے امت کی تصریحات اس پر شاہدِ عدل ہیں۔

اسلام نے عورت کے پردے کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے، حتیٰ کہ اس کی آواز کو بھی فقہا نے عورت کہا ہے ؛اس لیے نماز، حج اور تلاوتِ قرآن وغیرہ میں بطورِ قاعدۂ کلیہ کے، پردے کا اہتمام کرنا ضروری ہے؛ اسی قاعدۂ کلیہ کے تحت عورت کو رفعِ یدین ، رفعِ صوت، رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ میں سَتر اور پردے کی زیادہ سے زیادہ امکانی کوشش کرنا شرعاً وعقلاً مطلوب ومحمود ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ حضرت مولانا محمد شعیب اللہ صاحب مفتاحی نے " **فَيْضُ السَّمَاءِ فِيْ أحْكَامِ صَلَاةِ النِّسَاءِ** " کے نام سے زیرِ نظر رسالہ مرتب فرما کر مسلمانانِ ہند پر اور بالخصوص اہلِ جنوب پر ایک علمی ودینی احسان فرمایا ہے کہ احادیث، آثارِ صحابہ اور تصریحاتِ فقہا کی روشنی میں عورتوں کی نماز کا مکمل خاکہ اور نقشہ پیش کردیا ہے۔

امید ہے کہ اس وقیع رسالے سے، (پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجائے گا اور) عورتیں اطمینان وانشراح کے ساتھ اپنے طریقے کے مطابق نمازیں ادا کرتی رہیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مؤلّف موصوف کو دارین میں اجرِ جزیل سے ہم کنار فرمائیں۔ "ایں دعا از من واز جملہ جہاں" آمین۔

حبیب الرحمٰن اعظمی

(استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند)

نزیلِ حال وانمباڑی، ۲۴ر شعبان المعظم ر ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

بنگلور کے ایک خالص اسلامی ماہنامے ''اسلامی مشغلے'' کے محترم مدیر'' جناب پی- آر- رشید احمد صاحب مرحوم'' نے ایک دن بتایا کہ ماہنامے کے نام ہندوستان کے مختلف مقامات سے ایک ہی سوال پر مشتمل پچاسیوں خطوط موصول ہوئے اور ہورہے ہیں کہ مرد وعورت کی نماز میں شرعاً فرق ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ عورت کی نماز کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ مدیر محترم نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ایک مدلل و مفصل مضمون ''عورت کی نماز'' پر لکھوں؛ چنانچہ راقم نے اپنی بے بضاعتی وتہی دامنی کے باجود، ایک مضمون نہایت عُجلت کے ساتھ لکھ کر حوالے کر دیا، جو ''اسلامی مشغلے'' کے شمارے بابت ربیع الاول ۱۴۱۰؁ھ مطابق نومبر ۱۹۸۹؁ء میں محترم مدیرِ اعلیٰ کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوا اور عوام میں اور عوام سے زیادہ خواص وعلمی حلقوں میں توقع سے زیادہ پسند کیا گیا۔

پھر بعض احباب کی خواہش اور اصرار ہوا کہ یہ مضمون الگ کتابی صورت میں شائع کیا جائے؛ اس پر میں نے مضمون پر نظرِ ثانی کی ،تو اندازہ ہوا کہ یہ تشنہ ہے؛ چنانچہ میں نے ازسرِ نو اس کو ترتیب دینا اور اس میں حذف واضافے سے کام لینا ضروری سمجھا اور الحمد للہ یہ کام مکمل ہوگیا ، جواب ایک رسالے کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

اس کی تکمیل ربیع الاول ۱۴۱۰؁ھ اور شعبان ۱۴۱۰؁ھ کے درمیان ہوگئی اور یہ میرے

دیگر مسودات میں پڑا رہا اور اشاعت کی نوبت نہیں آئی اور اب پندرہ سال کے بعد میرے عزیز ''مولوی زبیر احمد قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ'' نے اس کو مسودات سے نکالا اور اس کے حوالجات کی تحقیق کی اور احقر نے بھی اس پر نظرِ ثانی کی اور بعض جگہ معمولی سی ترمیم و اضافہ بھی کیا اور اس کے آخر میں عورت کی نماز سے متعلق بعض روایات کی تحقیق میں میرا وہ خط بھی شاملِ اشاعت کر دیا گیا، جو ''جناب رفیق'' (مدیر ماہنامہ ''التوعیۃ'') کو لکھا گیا تھا۔

اب یہ رسالہ بنام " **فَيْضُ السَّمَاءِ فِيْ أَحْكَامِ صَلَاةِ النِّسَاءِ** "اشاعت کے لیے پریس کے حوالے کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو مقبول و نافع بنائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۲۲ر ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

بسم الله الرحمن الرحیم

تمہید

یہ بات بہت واضح ہے کہ اسلام میں مرد وعورت کے درمیان بعض احکام میں فرق رکھا گیا ہے، مثلاً بعض معاملات میں قرآن نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔ (سورة البقرة: ۲۸۲)

نیز حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :

"وما رأيتُ من ناقصات عقل ودين أذهبَ للُبِّ الرَّجُل الحازم من إحْدَاكُنَّ قُلْنَ: وما نقصانُ دِيْنِنَا وعَقْلِنَا يا رسولَ الله؟ قال: أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرَّجُل؟"(۱)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ناقصاتِ عقل قرار دے کر اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عورت کی گواہی، مرد کے اعتبار سے آدھی ہے۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شرعی احکام میں، بعض جگہ مرد وعورت کے درمیان خود شریعت نے فرق رکھا ہے؛ چنانچہ حضراتِ علما نے اس موضوع پر مستقل بحث کی ہے، جن کو نمونہ دیکھنا ہو، وہ علامہ ابن نجیمؒ کی کتاب **"الأشباه والنظائر"** دیکھیں،(۲) اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مرد وعورت کے لیے احکام ہر جگہ یکساں نہیں ہیں۔

---

(۱) بخاری کتاب الحیض: ۱/۴۴، و کتاب الشهادت: ۱/۳۶۳

(۲) الأشباه مع الحموي: ۱/۱/۳۸۱-۱/۳۹۴

اسی طرح نماز کے بعض احکام میں مرد وعورت کے درمیان فرق کیا گیا ہے، نماز کے طریقے میں بھی اور دوسرے احکام میں بھی، زیرِ نظر رسالے میں یہی بات پیش کرنا مقصود ہے۔

ہم پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ کے آثار اور اقوال سے یہ بات ثابت کریں گے کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے؛ نیز ائمۂ اربعہ ''امام ابوحنیفہ''، ''امام مالک''، ''امام شافعی'' اور ''امام احمد بن حنبل'' رحمہم اللہ کے مسالک کی معتبر ترین کتب سے بھی یہ ثابت کریں گے کہ ان سب حضراتِ ائمہ کے نزدیک مرد وعورت کی نماز کا یہ فرق ملحوظ ہے؛ پھر حنفی نقطۂ نظر سے عورت کے لیے نماز کا طریقہ بیان کریں گے؛ پھر دیگر احکامِ نماز زیرِ بحث لائیں گے۔

واللہ الموفّق والمُعين وإليه المرجع والمآب.

فصلِ اول

مرد وعورت کی نماز میں فرق کا ثبوت

احادیثِ رسول

سب سے پہلے ہم احادیث کو لیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد وعورت کی نماز کے طریقے میں فرق ہے اور یہ کہ ان کے مابین بعض احکامِ نماز میں بھی فرق ہے۔

پہلی حدیث

﴿ عن يزيد بن أبي حبيب: أنّ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وسلم مَرّ علىٰ امرأتين تُصَلِّيانِ ، فَقَالَ :إذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعضَ اللحم إلى الأرض، فإنّ المرأةَ ليستْ في ذاک كالرَّجُل﴾(۱)

(حضرت یزید بن ابی حبیب سے(۲) مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو عورتوں پر سے گزر ہوا، جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو، تو اپنے جسم کا بعض حصہ زمین سے ملالیا کرو؛ کیوں کہ عورت اس

---

(۱) مراسيل أبي داؤد:۸

(۲) یہ یزید بن ابی حبیب مشہور ومعروف تابعی ہیں، ابن حبان نے (كتاب الثقات: ۶/ ۵۴۶) میں ان کو تابعین میں شمار کر کے بتایا ہے کہ آپ صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ابن حجرؒ نے (تهذيب التهذيب: ۱۱/ ۳۱۹-۱۱/ ۳۲۰) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن سعد، لیث، ابوزرعہ، عجلی سے ان کی توثیق وتعریف نقل کی ہے، اور ابن سعد سے نقل کیا کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے۔

میں مرد کی طرح نہیں ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو سجدے میں زمین سے مل کر اور دَبی دَبی نماز پڑھنا چاہیے؛ جب کہ مرد کے لیے یہ طریقہ ہے کہ اس کے تمام اعضا کھلے کھلے ہوں۔

معلوم ہوا کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے؛ چنانچہ خود آخر حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ "عورت اس بارے میں مرد کی طرح نہیں ہے"۔

یہ روایت صحابی کا واسطہ مذکور نہ ہونے کی وجہ سے مُرسل ہے اور مُرسل حدیث جمہور علما وائمہ کے نزدیک مقبول ہے۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ مرسل کو غیر مقبول قرار دیتے ہیں؛ لیکن ان کے نزدیک بھی مرسل کی تائید کسی موصول یا دوسری مرسل روایت سے ہوجائے، تو وہ مقبول ہوتی ہے، خواہ یہ تائیدی روایت ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ (۱)

---

(۱) مرسل روایت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک مقبول ہے، جیسا کہ ابن الصلاح نے (مقدمہ: ۲۲) میں تصریح کی ہے، اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے جیسا کہ ابن حجرؒ نے (نزھۃ النظر: ۵۴) میں فرمایا ہے، امام ابوداوٗدؒ اپنے خط میں، جو مکہ والوں کو بھیجا تھا، فرماتے ہیں: "**أما المراسيل كان يحتج بها العلماء فيما مضیٰ مثل سفيان الثوري، ومالک، والأوزاعي، ثم جاء الشافعيؒ فتكلم فيه الخ (مقدمه سنن أبي داؤد: ٦)** اس سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے حجیتِ مرسل کا انکار امام شافعیؒ نے کیا ہے، ان سے پہلے سب علما اس کی حجیت تسلیم کرتے تھے۔ اس کے بعد امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں کہ جب مسند وموصول روایت نہ ہو، تو مرسل سے احتجاج کیا جائے گا۔..........

اور زیرِ بحث مرسل روایت کو امام بیہقی رَحِمَہُ اللہُ نے موصولاً دو سندوں سے روایت کیا ہے۔(۱)

اور یہ دونوں طریق، اگر چہ متروک راویوں کی وجہ سے ضعیف ہیں ؛ مگر مرسل کی تائید کے لیے کافی ہیں ؛ لہٰذا یہ تمام ائمہ کے نزدیک حجت و مقبول ہوگی۔

دوسری حدیث

﴿عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعاً : إذاجلستِ المرأةُ في الصلٰوة وضعتْ فَخِذَها علٰى فَخِذِها الأخرىٰ، فإذا سَجَدَتْ أَلْصَقَتْ بطنَها علىٰ فخذها كأستر ما يكون، فإنّ اللّٰه ينظر إليها ، يقول : ياملا ئكتي! أشهدكم إني غفرتُ لها ﴾(۲)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے، تو اپنی ایک ران

............نیز معلوم ہونا چاہیے کہ امام شافعیؒ اور ان کے متبعین جو مرسل کی حجیت کا انکار فرماتے ہیں، یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس کی تائید کسی اور مسند یا مرسل حدیث سے نہ ہو؛ جیسا کہ ہم نے اوپر بھی لکھا ہے اور اگر مرسل کی تائید کسی اور مسند یا مرسل سے ہوتی ہو، تو سب علما اس کو قبول کرتے ہیں ، پھر اس تائید کرنے والی موصول حدیث کا ضعیف ہونا بھی کافی ہے؛ بل کہ ”تدریب الروای“ میں لکھا ہے کہ مرسل کی تائید کے لیے جس موصول کی ضرورت ہے، وہ **منتهض الإسناد** (پکی سند والی) نہ ہو کیوں کہ اگر یہ موصول روایت سند کے لحاظ سے قوی ہوگی، تو استدلال واحتجاج تو اسی سے ہوگا، نہ کہ مرسل سے۔ (تدریب الراوی:۱۰۵)

(۱) السنن الكبرىٰ بيهقي:۷۵/۳

(۲) كنزل العمال:رقم الحديث :۲۰۱۹۹

دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے، تو پیٹ کو رانوں سے ملالیا کرے، اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں نے اس (عورت) کو بخش دیا) اس میں عورت کے سجدے اور جلسے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ سجدے میں رانوں کو پیٹ سے ملا کر رکھنا چاہیے اور اس کی تائید گذشتہ حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں بھی سجدے میں زمین سے ملے رہنے کا حکم دیا ہے اور جلسے میں رانوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح رکھنے کا حکم ہے کہ ایک ران دوسرے ران پر ہو اور یہ معلوم ہے کہ مرد کے لیے یہ طریقہ نہیں ہے؛ لہٰذا یہ پتہ چلا کہ مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے۔

نیز اس حدیث سے ایک بات گُر کی یہ معلوم ہوئی کہ عورت کو نماز کے ارکان وافعال میں بھی اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ پردہ ہو، اس کی ہر ادا، ہر سکون، ہر فعل و عمل ستر و پردے کا ضامن ہو، اس نکتے کو یاد رکھیں کہ یہ آئندہ کام آئے گا اور یہ بھی یاد رہے کہ مرد و عورت کی نماز میں فرق کا بنیادی اور مرکزی نکتہ یہی ہے۔

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے؛ مگر اس کے شواہد موجود ہیں، اس سے اوپر، جو حدیث گذری ہے، وہ بھی اس کے بعض اجزا کی شاہد ہے اور آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایتِ موقوفہ آرہی ہے، جس میں جلسے میں رانوں کو ملا کر رکھنے کا حکم ہے، یہ زیرِ بحث روایت کے پہلے جُزو کی شاہد ہے اور محدثین کے اصول کے مطابق، شواہدات کی روشنی میں ضعیف حدیث کبھی حسن کے درجے کو اور کبھی صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے(۱)؛ لہٰذا اس کا ضعف ختم ہو گیا۔

---

(۱) دیکھو اصولِ حدیث کی کتابیں: "نزهة النظر" للعسقلاني، "ارشاد طلاب الحقائق" للنووي، "فتح المغيث" للسخاوي، "تدريب الراوي" للسيوطي، "علوم الحديث لابن الصلاح"، وغيرها)

تیسری حدیث

﴿عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: أنّه سُئِلَ كيفَ كان النساءُ يُصَلِّينَ علىٰ عهد رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ؟ قال : كُنّ يَتَربَّعْنَ ، ثم أُمِرْنَ أن يَحْتَفِزْنَ ﴾ (١)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں نماز کس طرح پڑھتی تھیں؟ فرمایا کہ وہ چارزانو بیٹھتی تھیں؛ پھر ان کو حکم دیا گیا کہ سرین کے بل بیٹھیں)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو نماز میں، مرد کی طرح پیر بچھا کر نہیں؛ بل کہ سُرین کے بَل زمین پر بیٹھنا چاہیے؛ جب کہ مرد کے لیے یہ طریقہ ہے کہ اپنا ایک پیر بچھا کر اسی پر بیٹھ جائے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں نماز کا یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلا آرہا ہے؛ بل کہ آپ کے حکم سے ہے؛ کیوں کہ صحابی کا یہ کہنا "حکم دیا گیا" مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ (٢)

الغرض! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "عورتوں کو یہ حکم دیا گیا" مرفوع حدیث کے حکم میں ہے، یعنی یہ اللہ کے رسول کا فرمان اور حکم بیان کیا گیا ہے۔

---

(١) **جامع المسانيد: ١/٤٠٠، مسند الإمام، حصكفي : ٤٩**

(٢) امام ابوعبداللہ الحاکمؒ اپنی کتاب "**معرفة علوم الحديث**" میں فرماتے ہیں: "**ومنه (اي من المرفوع) قول الصحابي المعروف بالصحبة "أمرنا أن نفعل كذا" و "كُنّا نُومَرُ بكذا" فهوحديث مُسند". (معرفة علوم الحديث :٢٨)** اسی طرح علامہ ابن الصلاحؒ نے "**مقدمه**": ٢٠ میں اور ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "**نزهة النظر**": ٨٥ میں، علامہ عراقیؒ نے "**الفية**": ١٩ میں، اور نوویؒ نے "**ارشاد طلاب الحقائق**": ١/١٦١ میں ذکر فرمایا ہے اور اسی کو صحیح اور اکثر علما کا قول قرار دیا گیا ہے۔

اب رہا اس کی سند کا معاملہ، تو عرض ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت نافع رحمہ اللہ سے اور نافع رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہاں تک سند بلاشبہ صحیح ہے اور اعلیٰ درجے کی ہے۔ (**کما لا یخفیٰ علی المهرة**) اس کے بعد امام اعظم رحمہ اللہ سے مسانید کے جامع تک، جو راوی ہیں وہ بھی سب کے سب قابلِ قبول اور اعتماد ہیں، سوائے زر بن ابی نجیح کے، جن کے بارے میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے حالات مجھ کو نہ مل سکے۔(۱)

یہاں یاد رہے کہ زر بن ابی نجیح کو غیر مقبول نہیں قرار دیا گیا ہے، بل کہ یہ کہا گیا ہے کہ ان کے حالات کا علم نہ ہوسکا، ویسے یہ بات اپنی جگہ ثابت ہوچکی ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مسانید قابل احتجاج ہیں۔(۲)

پھر ایک موقوف روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کو نقل کریں گے؛ لہٰذا یہ روایت قابل قبول ولائق احتجاج ہے۔

چوتھی حدیث

﴿عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يقبل الله صلوةَ حائضٍ إلا بِخِمَارٍ﴾(۳)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا)

---

(۱) إعلاء السنن: ۳/ ۲۰

(۲) إعلاء السنن: ۳/ ۲۱، ۲۴

(۳) سنن ترمذي: ۱/ ۵۲، ابوداؤد: ۱/ ۹۴

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بلوغ المرام میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

اور امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

یہ حدیث صاف وصریح طور پر بتا رہی ہے کہ عورت کی نماز، اوڑھنی کے بغیر مقبول نہیں ہوتی؛ لہٰذا اس کو اوڑھنی سے پورا سر ڈھانک لینا چاہیے؛ حالاں کہ مرد کے لیے یہ حکم نہیں ہے؛ بل کہ علما نے اسی حدیث کی روشنی میں فرمایا ہے کہ عورت کا پورا بدن (سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے) مستور وپوشیدہ ہونا چاہیے ،ورنہ نماز نہیں ہوتی، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔(۲)

بہر حال! اس سے معلوم ہوا کہ مرد وعورت کے بعض احکامِ نماز مختلف ہیں۔

پانچویں حدیث

﴿عن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلوٰةُ المَرأةِ في بيتِهَا أفضلُ من صَلَا تِهَا في حُجُرَتِها، وصَلا تُها فيُ مخدعِها أفضلُ من صَلا تِها في بيتها﴾(۳)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی نماز گھر کے اندر (دالان) میں افضل ہے،

---

(۱) بلوغ المرام: ۱۵

(۲) سنن الترمذي: ۱/ ۵۲

(۳) ابو داود: ۱/ ۸۴

اس نماز سے، جو صحن میں ہو اور اس کی اندر کی کوٹھری میں نماز افضل ہے، اس نماز سے، جو دالان میں ہو)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ عورت کے لیے گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے اور گھر میں بھی، جو حصہ جتنا اندر اور مستور ہو، وہ اس کے لیے افضل ہے؛ جب کہ یہ معلوم ہے کہ مرد کے لیے فرائض کی ادائیگی مسجد میں افضل ہے؛ بل کہ ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سننِ ہدیٰ" کی تعلیم دی اور بلاشبہ "سننِ ہدیٰ" میں سے ایک، ایسی مسجد میں نماز پڑھنا بھی ہے، جہاں اذان ہوتی ہو۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت کے درمیان، بعض احکامِ نماز میں فرق رکھا گیا ہے۔

چھٹی حدیث

﴿عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيرُ صُفُوف الرِّجَال أوّلُها، وشَرُّها آخِرُهَا، وخيرُ صفوفِ النِّسَاءِ آخِرُها، وشَرُّهَا أوَّلُها﴾(۲)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردوں کی صفوں میں بہتر، پہلی صف ہے اور بدتر، آخری اور عورتوں کی صفوں میں، بہتر آخری صف اور بدتر پہلی ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں مردوں کے ساتھ عورتیں ہوں،

---

(۱) مسلم: ۱/۲۳۲

(۲) مسلم: ۱/۱۸۲، ابوداؤد: ۱/۹۹

تو عورتوں کی آخری صف افضل ہے؛ جب کہ اسی حدیث نے یہ بھی بتایا ہے کہ مردوں کی پہلی صف افضل ہے، اس سے یہ بھی واضح ہے کہ مرد وعورت کی نماز کے بعض احکام مختلف ہیں۔

ساتویں حدیث

﴿عن أبي هريرة وسهل بن سعد رضي الله عنهما : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ألتسبيحُ للرجال و التصفيحُ للنساء﴾(۱)

(حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے اور تصفیح (تالی بجانا) عورتوں کے لیے ہے)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام کو سہو اور بھول ہو جائے اور اس کو بتانے کی ضرورت ہو، یا کوئی آنے والا دروازے پر دستک دے رہا ہو اور اس کو یہ بتانا ہو کہ میں نماز میں مشغول ہوں، تو مرد "سبحان اللہ" کہے، اور عورت تالی بجائے، یہی سنت ہے۔(۲)

اس سے بھی پتہ چلا کہ نماز کے بعض احکام عورت کے لیے مرد سے مختلف ہیں اور خود شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی نماز کے احکام میں فرق بیان کیا ہے۔

آٹھویں حدیث

﴿عن عائشة رضي الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا

---

(۱) بخاری: ۱/۱۶۰، مسلم: ۱/۱۸۰، أبوداؤد: ۱/۱۳۵، ترمذی: ۱/۵۱، عبدالرزاق: ۳/۴۵۵.

(۲) شرح مسلم للنووي: ۱/۱۷۹.

خيرَ في جماعةِ النساء إلا في المسجد أو في جنازة ﴾(۱)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی جماعت میں کوئی بھلائی نہیں؛ مگر مسجد میں یا جنازے (کی نماز) میں)

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ عورتوں کی جماعت میں کوئی بھلائی اور خیر کی چیز نہیں؛ لہٰذا عورتوں کو اپنی جماعت بنانا مکروہ ہے اور اس کے برخلاف مردوں کو جماعت بنا کر نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

معلوم ہوا کہ مرد وعورت کی نماز کے احکام میں فرق ہے اور آخر میں، جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "مگر مسجد یا جنازے کی نماز میں" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورتیں مسجد میں جماعت کریں یا جنازے کی نماز میں کریں، تو یہ درست ہے اور ظاہر ہے کہ مسجد میں عورتیں، بلا مردوں کے جماعت نہیں کرسکتیں؛ بل کہ مردوں کے ساتھ کرتی ہیں، صرف ایک صورت میں ان کو جماعت کی اجازت ہے کہ جنازے کی نماز میں عورتیں جماعت کرلیں۔

یہ روایت عبداللہ بن لہیعہ راوی کے واسطے سے آئی ہے اور ان پر اگرچہ بعض علما نے جرح کی ہے، تاہم بہت سے علما نے ان پر اعتماد اور وثوق ظاہر کیا ہے؛ لہٰذا یہ حسن الحدیث ہوں گے۔ (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۱/ ۱۵۵

(۲) عبداللہ بن لہیعہ کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل کی رائیں مختلف ہیں، بعض نے ان کی تضعیف کی ہے اور بعض نے توثیق کی ہے۔ تضعیف کرنے والوں میں یحییٰ بن سعید، عبدالرحمان بن مہدی وغیرہ ہیں اور توثیق کرنے والوں میں امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ، احمد بن صالحؒ، ابن وھبؒ، وغیرہ ائمۂ حدیث واساطینِ فن ہیں۔ امام ابوداؤدؒ نے امام احمدؒ کا قول.................

یہاں تک ہم نے کُل آٹھ حدیثوں کو پیش کر کے بتایا ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے، طریقۂ نماز میں بھی اور دوسرے متعلقہ احکام میں بھی، کچھ حدیثیں آگے بھی ضمناً آئیں گی، إن شاء الله تعالیٰ.

آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس کے بعد ہم حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار واقوال ذکر کرتے ہیں، جن سے مرد و عورت کی نماز میں فرق کا ثبوت ملتا ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار واقوال بھی جمہور علمائے اُمت کے نزدیک حجت ہیں اور خصوصاً ائمۂ اربعہ: ''امام ابوحنیفہ''،

.........نقل کیا ہے کہ مصر میں حدیث کی کثرت، ضبط اور اتقان میں ابن لہیعہ جیسا کون ہے؟ سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع؛ نیز فرمایا کہ میں نے کئی حج صرف اس لیے کیے ہیں کہ میں ابن لہیعہ سے ملاقات کروں۔ ابن وہبؒ، جو ابن لہیعہ کے ہم عصر بھی ہیں اور ہم وطن بھی، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی، خدا کی قسم الصادق البار یعنی سچے اور نیک (یعنی عبداللہ ابن لہیعہ) نے، ابن معینؒ نے فرمایا کہ میں ابن لہیعہ کی حدیث لیتا ہوں اور ابن وہبؒ بھی ان کی حدیث لیتے رہے۔ (**ملخصاً من تهذيب التهذيب: ۳۷۶/۵ – ۳۷۷**) علامہ ابن شاہین محدثؒ نے اپنی کتاب'' **تاريخ أسماء الثقات** ''میں ان کا ذکر کیا ہے، جو کہ صرف قابلِ اعتماد راویوں کے تذکرے کے لیے لکھی گئی ہے اور اسی میں احمد بن صالحؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ'' ابن لہیعہ ثقہ ہیں اور ان کی جن حدیثوں میں تخلیط واقع ہوگئی ہے، اس کو دور کیا جاسکتا ہے''۔ (**تاريخ أسماء الثقات: ۹۱**) تہذیب میں ہے کہ شعبہؒ بھی ابن لہیعہ سے روایت کرتے ہیں اور شعبہؒ کے بارے میں ابن حجرؒ نے (**تهذيب: ۵/۱**، اور **لسان الميزان: ۲۶/۱**) میں تصریح کی ہے کہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں، ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ابن لہیعہ سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہیں؛ بل کہ بہت سے اساطینِ فن وائمۂ حدیث نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا ان کی حدیث حسن سے کم نہ ہوگی۔ **و الله أعلم**

''امام شافعی''، ''امام مالک''، ''امام احمد'' رحمہم اللہ کے نزدیک تو ان کے آثار بڑے ہی قابلِ اعتماد و قابلِ اعتنا ہیں، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''اعلام الموقعین'' میں اس پر تفصیل و تحقیق سے لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اپنے قولِ قدیم و جدید میں صحابہ کے اقوال و آثار کو حجت مانتے ہیں۔(۱)

اور امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنا مسلک خود یہ بتایا ہے کہ میں پہلے قرآن کو پھر حدیث کو لیتا ہوں، اگر وہاں نہ ملے، تو صحابہ کے قول کو لیتا ہوں اور ان کے قول سے باہر نہیں جاتا۔(۲)

الغرض! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار بھی حجت و قابلِ تقلید ہیں؛ اس لیے یہاں ان حضرات کے اقوال و آثار ذکر کیے جاتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر

﴿عن علي رضي الله عنه قال: إذا سجدت المرأة، فلتحتفز ولتلتصق فخذيها ببطنها﴾ (۳)

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے، تو اس کو چاہیے کہ سُرین کے بل بیٹھے اور اپنے پیٹ سے رانوں کو ملائے رکھے)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس روایت کے راویوں پر کلام کرکے آخر میں فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔(۴)

---

(۱) إعلام الموقعين: ۴/۱۱۹. ۴/۱۲۳

(۲) تهذيب التهذيب: ۱۰/۴۵۱، أبوحنيفة وأصحابه: ۴۸

(۳) عبدالرزاق: ۳/۱۳۸ واللفظ له، ابن أبي شيبه: ۱/۲۴۱، وسنن البيهقي: ۲/۲۲۲

(۴) إعلاء السنن: ۳/۲۴

حضرت اُمِ درداء رضی اللہ عنہا کا اثر

﴿عن عبد ربه بن سليمان قال: رأيتُ أمَّ الدرداء رضی اللہ عنہا كانت ترفع يديها إلى منكبيها﴾(۱)

(عبدربہ بن سلیمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امِ درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو کندھوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے؛ جب کہ احناف کے نزدیک مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے؛ جیسا کہ مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل وارد ہوا ہے۔(۲)

اور جو دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے، احناف اس کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ ہتھیلیاں کندھوں تک اور ہاتھ کی انگلیاں کانوں کے برابر ہوتی تھیں۔ (۳)

اوراس کی تائید ابوداؤد کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ وہ کندھوں کے برابر ہو گئے اور انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرلیا؛ پھر تکبیر کہی۔(۴)

---

(۱) جزء رفع اليدين للإم البخاري: ۱۳، ابن أبي شيبه: ۱/ ۲۱۶

(۲) مسلم: ۱/ ۱۶۸

(۳) البحرالرائق: ۱/ ۳۰۵

(۴) أبوداؤد: ۱/ ۱۰۵

الغرض! مرد کے لیے جو طریقہ ہے، اس کے خلاف حضرت اُمِ درداء رضی اللہ عنہا کا یہ عمل کہ وہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں، اس بات کی دلیل ہے کہ مرد وعورت کے طریقۂ نماز میں فرق ہے۔

اس اثر کے تمام روای ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں، اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے استاذ خطاب بن عثمان رحمہ اللہ سے، انہوں نے اسماعیل بن عیاش سے، انہوں نے عبدربہ بن سلیمان سے اس کو روایت کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کو کون نہیں جانتا، ان کی ذات کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں، امام بخاری کے استاذ خطاب بن عثمان کے ثقہ ہونے کے لیے امام بخاری کا ان سے روایت کرنا ہی کافی ہے؛ کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ جس سے حدیث لیتے ہیں، وہ ثقہ ہوتا ہے، انہوں نے خود فرمایا کہ میں نے ایک ہزار اسی اساتذہ سے حدیث لکھی ہے اور وہ سب کے سب صاحبِ حدیث تھے۔(۱)

پھر دارِ قطنی رحمہ اللہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور قاسم بن ہاشم نے فرمایا کہ یہ ابدال میں شمار کیے جاتے ہیں۔(۲)

اور خطاب کے استاذ اسماعیل بن عیاش بھی ثقہ ہیں؛ اگر چہ بعض نے ان پر کلام کیا ہے؛ مگر ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علما نے ان کو اہلِ شام کے علاوہ دوسرے مشائخ کی روایت میں ضعیف قرار دیا ہے اور اہلِ شام سے ان کی روایت قوی ہے؛ پھر فرماتے ہیں کہ بعض نے تو ان کو مطلقاً ثقہ قرار دیا ہے۔(۳)

---

(۱) هدي الساري: ۴۷۹
(۲) تهذيب التهذيب: ۱۴۶/۳
(۳) القول المسدد: ۱۲

ان پر مفصل کلام، تہذیب میں دیکھا جائے، جس میں بتایا گیا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ نے ان پر اعتماد و وثوق ظاہر کیا ہے۔(۱)

اور یہ زیرِ بحث روایت ابن عیاش نے عبدربّہ سے کی ہے، جو دمشقی شامی ہیں؛ لہٰذا یہ حدیث مقبول وقوی ہوگی اور عبدربہ بن سلیمان کو ابنِ حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔(۲)

الغرض! اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔(و اللّٰہ أعلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

﴿عن علي رضی اللہ عنہ قال: لا تؤم المرأة﴾(۳)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت امامت نہ کرے)

اس حدیث کی سند میں ''ابن ابی ذئب'' بنو ہاشم کے ایک آزاد کردہ غلام سے روایت کر رہے ہیں، اس سند میں ان کا نام مذکور نہیں ہے، جس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ راوی مجہول ہونے کی وجہ سے حدیث ضعیف ہے؛ مگر بات یہ ہے کہ اس راوی کا نام اگر چہ یہاں مذکور نہیں ہے، تاہم محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ابن ابی ذئب کے تمام شیوخ سوائے بیاضی کے ثقہ وقابلِ اعتبار ہیں، اس لحاظ سے یہ مولیٰ بنی ہاشم بھی ثقہ ہیں۔(۴)

---

(۱) دیکھو: تہذیب التہذیب: ۱/۳۲۱، ۱/۳۲۶، وتاریخ اسماء الثقات: ۶

(۲) ثقات ابن حبان: ۷/۱۵۳

(۳) ابن أبي شيبة: ۱/۴۳۰، المدونة الكبرىٰ: ۱/۸۵

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۷/۱۴۷، الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۶/۱۸۲، تهذيب التهذيب: ۹/۲۷۱، تهذيب الكمال: ۲۵/۶۳۴، تهذيب الأسماء للنووي: ۱/۱۰۲

اسی لیے علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے تمام رجال (راوی) ثقہ وقابلِ اعتماد ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔(۱)

اس اثر سے یہ معلوم ہوا کہ عورت امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی؛ جب کہ مرد کا امامت کی صلاحیت والا ہونا معلوم ہے، پس معلوم ہوا کہ نماز کے بعض احکام میں مرد وعورت مختلف ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر

﴿ **عن عطاء عن عائشة رضي الله عنها :أنها كانتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ تَقُومُ معهنّ في الصَّفّ** ﴾(۲)

(حضرت عطا سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو نماز پڑھاتی تھیں اور درمیانِ صف میں کھڑی ہوتیں)

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کو حاکم، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق اور دارِ قطنی کے حوالہ سے درایہ میں نقل کر کے فرمایا کہ عبدالرزاق اور دارقطنی کی سند دوسری سندوں سے صالح اور بہتر ہے۔(۳)

اور اسی روایت کو امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ نے بطریق ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم رحمہم اللہ نقل کیا ہے اور اس میں ہے کہ یہ واقعہ رمضان میں ہوا ہے۔(۴)

---

(۱) إعلاء السنن: ۲۱۵/۴

(۲) عبدالرزاق: ۱۴۱/۳

(۳) الدراية مع الهداية: ۱۰۳/۱

(۴) كتاب الآثار إمام محمد: ۴۴، و كتاب الآثار إمام أبويوسف: ۴۱

اس اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت اگر امامت کرے، تو درمیانِ صف میں کھڑی ہونا چاہیے؛ جب کہ یہ معلوم ہے کہ اگر دو یا زیادہ مقتدی ہوں، تو مرد امام کو آگے بڑھ کر کھڑا ہونا چاہیے؛ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ جب ہم تین آدمی ہوں، تو ہم میں سے ایک (امامت کے لیے) آگے بڑھ جائے۔ (۱)

معلوم ہوا کہ اس میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے، ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس حکمِ رسول کے خلاف ہرگز نہ کرتیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اثر

﴿عن حجيرة بنت حصين قالت: امّتَنا أمُّ سلمةَ رضي الله عنها في صلاةِ العصر، قامَتْ بيننا﴾(۲)

(حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا عصر کی نماز میں ہماری امامت فرمائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں)

امام نووی رحمہ اللہ سے امام زیلعی رحمہ اللہ نے نصب الرایہ میں نقل کیا ہے کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔ (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا اثر

﴿عن قتادة رحمه الله عن أمّ الحسن أنها رأتْ أمَّ سلمة رضي الله عنها زوج

---

(۱) سنن الترمذي: ۱/۳۳

(۲) عبد الرزاق: ۳/۱۴۰، ابن أبي شيبه: ۱/۴۳۰، مسند الشافعي: ۱/۵۳

(۳) نصب الراية: ۲/۳۱

النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تَؤُمُّ النِسَاءَ تَقُومُ معهنَّ في صفِّهنّ ﴾ (۱)

(حضرت قتادہ رحمۃ اللہ نے حضرت ام الحسن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں کی امامت کرتے ہوئے دیکھا، وہ عورتوں کی صف کے درمیان کھڑی تھیں)

اس کی سند بھی صحیح ہے؛ کیوں کہ اس کے تمام راوی ثقہ وقابلِ اعتبار ہیں اور سوائے اُم الحسن کے سب کے سب راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں، اور اُم الحسن بھی معتبر راویہ ہیں۔(۲)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورت اگر کسی وجہ سے عورتوں کی امامت کرے، تو اس کو مرد کی طرح آگے بڑھ کر کھڑی نہیں ہونا چاہیے؛ بل کہ درمیانِ صف میں کھڑی ہونا چاہیے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا اثر

﴿ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنّه سُئِلَ عن صلاة المَرْأةِ ، فَقَالَ: تجتمع و تحتفز ﴾(۳)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عورت کی نماز کیسی ہوتی ہے؟ تو ان

---

(۱) عبد الرزاق: ۳/ ۱۰۴ ،ابن أبي شيبه: ۱/ ۴۳۰

(۲) قال الشيخ ناصر الدين الألباني:وهذا إسناد صحيح رواته ثقات معروفون من رجال الشيخين، غيرأم الحسن هذه وهي البصرية ، واسمها خيرة مولاة أم سلمة، وقد روي عنها جمعٌ من الثقات، ورمز لها في التهذيب بأنّها ممن روي لها مسلم، وذكرها ابن حبان في الثقات.(تمام المنة علىٰ فقه السنة :۱۵۴)

(۳) ابن أبي شيبه: ۱/ ۲۴۱

کے جواب میں فرمایا کہ وہ سمٹ کر نماز پڑھے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا اثر

﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: تؤمُّ المرأةُ النِّسَاءَ، تقُومُ في وسطهن﴾(۱)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی امامت اس طرح کرے کہ وہ درمیان میں کھڑی ہو)

ان آثار سے بھی معلوم ہوا کہ عورت امامت کرے، تو مرد کی طرح آگے بڑھ کر نہیں کھڑی ہونا چاہیے؛ بل کہ درمیانِ صف میں کھڑی ہونا چاہیے۔

انتباہ

یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما کا عمل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول یہ ظاہر کرتا ہے کہ عورت امامت کر سکتی ہے؛ پھر اس کو کیوں مکروہ کہا جاتا ہے؟ کیوں کہ عورتوں کی جماعت کا مکروہ ہونا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اوپر گذر چکا ہے اور عورت کی امامت کا ممنوع ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی ثابت ہے؛ لہٰذا یہاں یوں کہا جائے گا کہ کسی مصلحت سے ان حضرات نے ایسا کیا ہے اور کبھی کبھی کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت امامت کرے، تو درمیان میں کھڑی ہو، یہ نہیں کہ وہ عورت کو امامت کی اجازت دے رہے ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا اثر

﴿عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: ليس على النساء أذان ولا

(۱) عبد الرزاق: ۱۴۰/۳

إقامة ﴾ (۱)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں پر اذان نہیں ہے، اور نہ اقامت ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر

﴿ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: ليس على النساء أذان ولا إقامة** ﴾ (۲)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورتوں پر نہ اذان ہے نہ اقامت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر

﴿ **عن معتمر بن سليمان عن أبيه: كنا نسأل أنساً رضی اللہ عنہ: هل على النساء أذان وإقامة؟ قال: لا، وإن فعلن فهو ذكر** ﴾ (۳)

(حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ کیا عورتوں پر اذان و اقامت ہے؟ وہ فرماتے کہ نہیں اور اگر وہ کرلیں، تو یہ ذکر ہوگا)

ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے معلوم ہوا کہ عورت پر نہ اذان ہے اور اقامت ہے؛ جب کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مردوں کے لیے اذان و اقامت دونوں سنت ہیں، معلوم ہوا کہ عورت کے احکامِ نماز میں فرق ہے۔

یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جن سے یہاں یہ نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت، ان ہی سے ایک روایت یہ ہے کہ جب کسی نے ان سے یہ سوال کیا کہ کیا عورتوں پر اذان ہے؟ تو آپ غضب ناک ہو گئے اور

---

(۱) عبد الرزاق: ۳/۱۲۷

(۲) عبد الرزاق: ۳/۱۲۷

(۳) ابن أبي شيبه: ۱/۲۰۲

فرمایا کہ کیا میں اللہ کے ذکر سے منع کروں؟ اس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ آپ عورتوں کے لیے بھی اذان واقامت کے قائل تھے۔(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کے لیے اصل حکم تو آپ نے بیان کردیا کہ ان پر اذان واقامت نہیں ہے؛ لیکن جب کسی نے اس کا سوال کیا، تو آپ کو ایسا کہنا اچھا نہیں لگا کہ عورتیں اذان واقامت نہ کہیں؛ کیوں کہ ظاہراً یہ ذکر سے منع کرنے کے مشابہ ہے؛ لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے نزدیک عورتوں کے لیے اذان واقامت مردوں کی طرح سنت ہے، اسی طرح حضرت عائشہ وحضرت حفصہ سے، جو اذان یا اقامت کہنا ثابت ہے، اس سے بھی سنیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے۔(۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر

﴿حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ عورت کے لیے اپنے گھر سے بہتر نماز کی جگہ کوئی نہیں؛ مگر حج اور عمرہ میں (کہ وہاں مسجد میں پڑھے) سوائے اس عورت کے، جو شوہر سے مایوس ہوگئی ہو (یعنی بوڑھی ہو، تو وہ مسجد میں پڑھ سکتی ہے﴾(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو مسجد میں نہیں؛ بل کہ گھر میں نماز پڑھنا افضل وبہتر ہے، جب کہ مرد کے لیے مسجد افضل ہے۔

یہ کُل بارہ آثار واقوال ہیں، جن سے مرد وعورت کی نماز کے بعض طریقے میں اور بعض احکام میں فرق کا ثبوت ہوتا ہے۔

---

(۱) ابن أبي شيبه: ۱/۲۰۲

(۲) مجمع الزوائد: ۲/۳۵

(۳) مجمع الزوائد: ۱/۱۵۵

اقوالِ تابعین عظام

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حضراتِ تابعین عظام کا اسلام میں اس اعتبار سے ایک خاص مقام ہے کہ انہوں نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علمِ قرآن وحدیث حاصل کیا ہے اور دین کے فہم وبصیرت میں ان کو بعد والوں پر ایک گونہ فضیلت ہے، اسی لیے قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں بھی صحابہ کے بعد ان ہی حضرات کا درجہ ہے اور اکثر علما نے اسی کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔(۱)

لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کے بعد حضرات تابعین کرام رحمہم اللہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں، جن سے مرد وعورت کی نماز میں فرق کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول

﴿عن ليث عن مجاهد أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه علىٰ فخذيه إذا سجد كما تضع المرأة﴾(۲)

(حضرت لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ مرد، سجدے میں اپنا پیٹ عورت کی طرح اپنی رانوں پر رکھے)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ ایک مشہور تابعی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں، ان کے بارے میں حضرت لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مرد کے لیے عورت کی طرح سجدہ کرنے کو مکروہ فرماتے تھے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مرد وعورت کی نماز کے طریقے میں فرق تھا۔

---

(۱) فتاویٰ ابن تيمية: ۱۳/ ۳۶۸

(۲) ابن ابي شيبة: ۱/ ۲۴۲

حضرت حسن بصری وحضرت قتادہ رحمہما اللہ کا قول

﴿عن الحسن و قتادة رحمہما اللہ قالا: إذا سَجَدَتِ المَرْأةُ فإنّها تَنْضَمُّ ما استطاعت، ولا تَتَجافٰى لكَيْ لا ترفع عجيزتها﴾(۱)

حضرت حسن بصری وحضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: عورت جب سجدہ کرے، تو وہ جس قدر ہو سکے ملی ملی رہے اور وہ (اپنے اعضا کو) نہ کھولے (یعنی مرد کی طرح اعضا کو علیحدہ علیحدہ نہ رکھے) تاکہ اس کی سرین اوپر نہ ہو جائے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ کا فرمان

﴿عن ابن جريج، قلتُ لعطاء: أتشير المرأةُ بيديها كالرِّجال بالتكبير؟ قال: لا تَرْفَعُ بذلك يديها كالرّجال، وأشارَ وَخَفَضَ يديه جِدّاً، وجَمَعَهُمَا إليه، وقال: إنّ للمرأةِ هيئةً ليستْ للرّجَالِ﴾(۲)

(حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا عورت مردوں کی طرح تکبیر میں ہاتھ سے اشارہ کرے گی؟ حضرت عطا نے فرمایا کہ عورت مردوں کی طرح تکبیر میں ہاتھ نہ اٹھائے۔ پھر (ہاتھ اٹھانے کا طریقہ دکھاتے ہوئے) اشارہ کیا، پس اپنے ہاتھوں کو بہت نیچے رکھا اور ان کو اپنی طرف جمائے رکھا، اور فرمایا کہ ”عورت کے لیے ایک طریقہ ہے، جو مرد کے لیے نہیں ہے“۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ کا دوسرا قول

﴿عن ابن جريج عن عطاء قال: تجتمع المرأة إذا ركعت، ترفع يديها

(۱) عبدالرزاق: ۱۳۷/۳

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۱۳۷/۳

إلى بطنها،وتجتمع ما استطاعت،فإذا سجدت فلتضم يديها إليها، تضم بطنهاوصدرها إلى فخذيها ، وتجتمع ما استطاعت﴾(۱)

(ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ عورت جب رکوع کرے،تو اپنے آپ کو ملائے ،جمائے رکھے،اپنے ہاتھ، پیٹ تک اٹھائے اور جس قدر ہوسکے اپنے کو ملائے رکھے،؛ جب سجدہ کرے،تو اپنے ہاتھوں کو اپنی طرف ملالے اور اپنے پیٹ اور سینے کو اپنی رانوں سے ملالے اور جس قدر ہوسکے ملی ملائے رہے)

حضرت عطاء رحمہ اللہ کا ایک اور قول

﴿عن ابن جریج عن عطاء قال: تجمع المرأة یدیها في قیامها ما استطاعت﴾(۲)

(ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء نے ارشاد فرمایا کہ عورت قیام کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو جس قدر ہوسکتا ہے، اتنا ملائے رکھے)

حضرت عطاء رحمہ اللہ جو ایک بلند پایہ محدث وفقیہ ہیں ،ان کے یہ اقوال بتا رہے ہیں کہ عورت کی نماز مرد کے لحاظ سے بعض امور میں مختلف ہوتی ہے،اس کے قیام ورکوع وسجدے کے ارکان مرد کی طرح نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بیان

﴿ عن ابراهیم قال: کانت تؤمر المرأة أن تضع ذراعها و بطنها علی فخذیها إذا سجدت، و لا تتجافیٰ کما یتجافیٰ الرجل لکي لا

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۳۷/۳

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۱۳۷/۳

ترفع عجيزتها﴾(۱)

(حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ اور پیٹ کو سجدہ کرتے وقت اپنی رانوں پر رکھے اور مرد کی طرح نہ کھلے، تاکہ اس کی سرین اوپر نہ ہوجائے)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول

﴿عن ابراهيم قال: إذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها، ولا ترفع عجيزتها، ولا تجافي كما يجافي الرجل﴾(۲)

(عورت سجدے میں اپنے پیٹ کو رانوں سے ملالے اور سرین نہ اٹھائے اور مرد کی طرح اعضا الگ الگ نہ کرے)

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ معروف تابعی ہیں اور اپنے زمانے کے ایک معتبر محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی، ان کے ان اقوال سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عورت ومرد کی نماز میں فرق ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ عورتوں پر اقامت نہیں ہے۔(۳)

امام زہری رحمہ اللہ کا فرمان

حضرت امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں پر اقامت نہیں ہے۔(۴)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۳۷/۳ (۲) ابن أبي شيبه: ۲۴۲/۱

(۳) مصنف عبدالرزاق: ۱۲۷/۳ (۴)ابن أبي شيبه: ۲۰۲/۱، عبد الرزاق: ۱۲۷/۳

حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب کا قول

حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب کا ارشاد ہے کہ عورتوں پر نہ اذان ہے اور نہ اقامت ہے۔(۱)

❁ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے۔(۲)

حضرت خالد بن لجلاج رحمہ اللہ کا بیان

﴿ **عن خالد بن اللجلاج قال: كن النساء يُؤْمَرْنَ أن يَتَرَبَّعْنَ إذا جَلَسْنَ في الصلاة ، ولا يجلسن جلوسَ الرَّجُل على أوراكهن ، يتقي ذلک على المرأة مخافةَ أن يكون منها الشيء** ﴾(۳)

(حضرت خالد بن لجلاج تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ جب نماز میں بیٹھیں، تو چارزانو بیٹھیں اور مردوں کی طرح اپنی سُرین پر نہ بیٹھیں، عورت کو اس سے اس اندیشے کی وجہ سے بچایا جاتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ ظاہر ہوجائے)

حضرت خالد بن لجلاج رحمہ اللہ ایک معروف تابعی ہیں اور بعض نے تو ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔وہ بتارہے ہیں کہ عورتوں کو چارزانو بیٹھنے کا حکم دیا جاتا تھا اور عورت کو مرد کی طرح نہیں بیٹھنا چاہیے۔

---

(۱) ابن أبی شیبه : ۱/ ۲۰۲،عبد الرزاق:۳/ ۱۲۷

(۲) ابن أبي شیبه : ۱/ ۲۰۲،عبد الرزاق:۳/ ۱۲۷

(۳) ابن أبی شیبه : ۱/ ۲۴۲

یہ چند حضراتِ تابعین کے اقوال ہیں، جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عورت و مرد کی نماز میں فرق ہے اور عورت کو مردوں کی طرح نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔

احادیث و آثار کا مقصد

اوپر جو احادیث و آثار ذکر کیے گئے ہیں، ان میں غور کرنے، ان کے مجموعے پر نظر ڈالنے اور ان میں پائے جانے والے بعض اشاروں پر تحقیق و تدقیق سے کام لینے سے، خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان سب کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ عورت زیادہ سے زیادہ مستور اور پوشیدہ رہے، اس کی ہر ادا، ہر حرکت، ہر سکون، ہر طریقۂ کار پردہ اور ستر کا ضامن ہو، وہ مرد کی طرح بے تحاشا کُھل نہ جائے، بے دھڑک کوئی فعل و عمل نہ کرے؛ بل کہ وہ حتی الامکان دَبی دَبی، مِلی مِلی، چمٹی چمٹی، چھپی چھپی، نماز ادا کرے، یہی بنیادی نکتہ ہے، جس پر مرد و عورت کی نماز کا فرق بیان کیا گیا۔

اس کی تائید حضرت عطا کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، جو آپ نے حضرت ابن جریج کے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا عورت جب دو رکعت پر بیٹھے، تو اپنے بائیں جانب پر بیٹھے؟ فرمایا کہ ہاں، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا یہ آپ کے نزدیک اس کے دائیں جانب پر بیٹھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا کہ ہاں، وہ جس قدر ہو سکے سمٹ کر بیٹھے، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ عورت دو رکعتوں پر مرد کی طرح بیٹھے یا اپنا بایاں پیر سرین کے نیچے سے نکال دے؟ فرمایا کہ ان میں سے کوئی صورت بھی اس کے لیے نقصان دہ نہیں بشرطیکہ وہ سمٹ کر رہے۔(۱)

---

(۱) ابن أبي شيبه : ۱/ ۲۴۲

اس میں حضرت عطاء نے عورت کی نماز کا وہ بنیادی ومرکزی نقطہ بیان کردیا ہے، جس پر عورت کی نماز کا طریقہ قائم ہے اور وہ ہے ستر وپردے کا لحاظ، اس لیے جس صورت وشکل میں یہ بات زیادہ حاصل ہوگی، وہ اس کے حق میں مطلوب ہوگی۔

عورت کے سجدے کی کیفیت اور اس کی حکمت

مثلاً احادیثِ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے تحت ہم نے دو نمبر پر جو حدیث پیش کی ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ ''عورت سجدے میں پیٹ کو رانوں سے ملا کر رکھے اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے''، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا منشأ عورت کو مذکورہ کیفیت سے سجدہ کرنے کا حکم دینے سے یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مستور و پوشیدہ رہے۔

عورت کو ''سبحان اللّٰه'' کہنے سے منع کرنے کی وجہ

اسی طرح ساتویں حدیث، جو بخاری و مسلم کے حوالہ سے گذری ہے، اس میں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے عورتوں کو ضرورت کے موقعے پر تالی بجانے کی اجازت دی ہے اور ''سبحان اللّٰه'' کہنے کی اجازت نہیں دی؛ بل کہ مردوں کے ساتھ اس کو مخصوص قرار دیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ عورت کا آواز بلند کرنا ستر اور پردے کے خلاف ہے۔

چناچہ محدثِ جلیل حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رَحِمَهُ اللّٰهُ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وكان منع النساء من التسبيح لأنها مأمورة بخفض صوتها في الصلاة مطلقاً لما يخشىٰ من الإفتنان ''(۱)

---

(۱) فتح الباري: ۳/۷۷

(عورتوں کوسبحان اللہ کہنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ان کو فتنے کے اندیشے سے نماز میں مطلقاً اپنی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے)

اسی طرح علامہ عینی رحمہ اللہ شارحِ بخاری فرماتے ہیں:

" وإنما كره لها التسبيح لأن صوتها فتنة ، ولهذا مُنِعَتْ من الأذان والإمامة والجهر بالقراءة في الصلاة "(۱)

(عورتوں کوسبحان اللہ کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ ان کی آواز فتنہ ہے، اسی لیے ان کو اذان دینے، امامت کرنے اور نماز میں زور سے قرأت کرنے سے منع کیا گیا ہے)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

"إنما كره التسبيح للنساء ، وأبيح لهن التصفيق من أجل أن صوت المرأة رخيم في أكثر النساء ، وربما شغلت بصوتها الرجال المصلين معها ". (۲)

(عورتوں کے لیے سبحان اللہ کہنا مکروہ اور تالی بجانا جائز اس لیے ہوا کہ عورت کی آواز اکثر کے لحاظ سے نرم ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کی آواز، اس کے ساتھ نماز پڑھنے والے مردوں کو اپنے میں مشغول کرسکتی ہے)

اورشارحِ مؤطا علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

"وقال القرطبي: القول بمشروعية التصفيق للنساء هو الصحيح خبراً ونظراً، لأنها مأمورة بخفض صوتها في الصلاة مطلقاً لما يخشىٰ من الإفتنان ". (۳)

---

(۱) عمدة القاري في شرح البخاري:۲۱۲/۳

(۲) التمهيد: ۱۰۸/۲۱

(۳) شرح مؤطازرقاني: ۴۷۱/۱

(قرطبی نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے تالی بجانے کی مشروعیت ہی صحیح قول ہے، نقلاً بھی عقلاً بھی؛ کیوں کہ ان کو فتنے کے اندیشے سے نماز میں مطلقاً اپنی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے)

فقہا میں سے علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن الہمام رحمہما اللہ وغیرہ نے بھی یہی بات اس حدیث کے بارے میں فرمائی ہے۔(۱)

عورت کو گھر میں نماز پڑھنے کے حکم کی مصلحت

اور پانچ نمبر پر ابوداؤد کی جو روایت درج کی گئی ہے، اس میں عورت کو گھر میں بھی اندر کے حصوں میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ بھی وہی پردہ ہے۔

چنانچہ مشہور و معروف محدث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ شرحِ ابوداؤد میں اس کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ عورت کے احکام کا مبنیٰ ستر اور پردے پر ہے اور گھر میں نماز پڑھنے میں اس کے پردے اور ستر کا کمال ہے۔(۲)

عورتوں کی آخری صف افضل کیوں؟

نمبر چھ پر جو حدیث گزری ہے، جس میں عورتوں کی پہلی صف کو بدتر اور آخری صف کو بہتر قرار دیا ہے، اس کی وجہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''جو عورتیں مردوں کے ساتھ جماعت میں حاضر ہوں، ان کی آخری صفوں کو افضل قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں عورتیں مردوں سے اختلاط، ان کو دیکھنے اور ان کے حرکات وغیرہ سے ان کی طرف دل مائل ہونے سے دور اور محفوظ ہوں گی''۔(۳)

---

(۱) دیکھو: فتح القدير: ۱/۲۶۰، بحر الرائق: ۱/۲۷۰، شامي: ۱/۴۶

(۲) بذل المجهود شرح أبي داؤد: ۱/۳۲۰

(۳) شرح مسلم للنووي ۱/۱۸۲

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات خوب واضح ہوجاتی ہے کہ ان سب احادیث وآثار کا مقصد ومنشا عورت کو پردے اور ستر میں رکھنا ہے، جیسا کہ اس کی فطرت ومزاج کا تقاضا ہے۔

❁ امام شافعی رحمہ اللہ کا زریں ارشاد

یہاں تک پہنچے کے بعد مجھے حضرت سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ''الأم'' دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس میں امام موصوف نے عورت کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے، وہی بات ارشاد فرمائی ہے، جو اوپر بیان ہوئی۔ میں اس کو یہاں آپ ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

''وقدأدّب اللّٰه تعالیٰ النساءَ بالإستتار، وأدَّبَهُنَّ بذٰلک رسولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ،وأحبَّ للمرأة في السجود أن تَضُمَّ بعضَها إلیٰ بعض، وتلصق بطنَها بِفَخِذَیْها ، وتسجُدَ کأسْترِ ما یَکُوْنُ لها، وهکذا أحَبَّ لها في الرکوع، والجلوس، وجمیع الصلوة أنْ تَکُوْنَ فیها کأسْتَرِ ما یَکُوْنُ لها، وأحبَّ أن تکفت جلبابها، وتجافیه راکعةً وساجدةً علیها لئلا یصفها ثیابها''. (۱)

(ترجمہ: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پوشیدہ اور مستور رہنے کی تعلیم دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اس کی تعلیم دی ہے اور عورت کے لیے اس بات کو پسند فرمایا کہ وہ سجدے میں اپنے بعض حصے کو بعض سے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا کر رکھے اور اس طرح سجدہ کرے کہ اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ پردہ ہوجائے؛ نیز اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے لیے رکوع اور

---

(۱) **کتاب الأم للإمام شافعیؒ: ۱/ ۱۱۵**

جلسے اور پوری نماز میں اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ وہ اس انداز سے نماز پڑھے کہ زیادہ سے زیادہ مستور و پوشیدہ رہے اور یہ بھی پسند فرمایا کہ وہ اپنی چادر کو سمیٹ لے اور چادر کو رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے اپنے اوپر ڈھیلا رکھے، تا کہ اس کے کپڑے (چست ہونے کی وجہ سے) اس کی تصویر نہ کھینچیں)

حاصلِ کلام یہ کہ ان احادیث اور آثار سے بطورِ قدرِ مشترک یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے اور یہ فرق اس بات پر مبنی ہے کہ عورت زیادہ سے زیادہ مستور و پوشیدہ رہے۔

ایک ضروری وضاحت

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''پردہ'' جس کو عربی میں حجاب کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ عورت کسی نامحرم مرد کے سامنے نہ آئے اور ''ستر'' جس کا ہماری اوپر کی تحریر میں بار بار ذکر آیا ہے، اس سے یہ حجاب مراد نہیں ہے ؛ بل کہ ستر کا تعلق خود عورت کی ذات سے ہے، خواہ کوئی مرد سامنے ہو یا نہ ہو، جیسے خود مرد کے لیے بھی ستر کا حکم ہے کہ وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ چھپائے رکھے اور نماز میں بھی اس کا چھپانا ضروری ہے، خواہ رات کی اندھیری میں، یا تنہا کسی جگہ میں وہ نماز پڑھ رہا ہو۔

معلوم ہوا کہ ستر کا تعلق خود اس کی ذات سے ہے، خواہ کوئی اس کو دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو، اسی طرح عورت کے حق میں ستر کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے، اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ حتی الامکان اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور اپنے افعال و حرکات سے بھی بے پردگی ظاہر نہ ہو اور اس کو کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو، بہر حال اس کے لیے یہ حکم ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ وہ نماز میں سراپا شرم و حیا بنی ہوئی ہو، یاد رہے

کہ لغت میں ''ستر'' کے ایک معنی حیا اور شرم کے بھی آتے ہیں؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''مال فلانٌ سِتْرٌ و لا حِجْرٌ'' (یعنی فلاں کو نہ حیا ہے نہ عقل ہے)، اس میں ستر سے مراد حیا ہے اور حجر سے مراد عقل ہے۔(۱)

حضراتِ علما کا ادراک وفہم

اسی منشا و مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے حضراتِ علما و ائمہ نے جہاں عورت کی نماز کا طریقہ اور دیگر احکام بیان فرمائے ہیں، وہاں انہوں نے ہر جگہ اس کو ملحوظ رکھا ہے کہ عورت زیادہ سے زیادہ مستور و پوشیدہ رہے اور اس کے ارکان و افعال کی ادائیگی بھی ستر و پردے کی ضامن ہو۔ یہ دراصل ان حضرات کے درک وفہم کا نتیجہ اور ان کی دِرایت وتَفَقُّہ کا ثمرہ ہے، اسی تفقہ و درایت سے کام لیتے ہوئے ''سیدنا امام اعظم'' رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید ''حضرت امام محمد رحمہ اللہ'' نے فرمایا کہ ضرورت کے موقع پر نماز میں عورت کو، جو تالی بجانے کی اجازت دی گئی ہے، اگر عورت اس کو بھی ترک کردے، تو ہمارے نزدیک بہتر اور پسندیدہ بات ہے۔(۲)

ممکن ہے تفقہ و درایت سے خالی اور محروم، کسی شخص کو امام محمد رحمہ اللہ کی یہ بات حدیث کے خلاف نظر آتی ہو؛ مگر خداوند تعالیٰ نے جس کو نورِ بصیرت اور دیدۂ حقیقت بیں عطا فرمایا ہو، وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث کے خلاف نہیں؛ بل کہ منشائے حدیث کے عین مطابق ہے؛ کیوں کہ عورت کو جب ''سبحان اللہ'' کہنے سے اس لیے منع کیا گیا کہ اس کی آواز سے فتنے کا اندیشہ ہے، تو تالی بجانے سے پرہیز کرنا، اس منشائے نبوی کی تکمیل ہی ہوگی، نہ کہ اس کی خلاف ورزی، بہر حال! ائمہ و علما نے

(۱) لسان العرب: ۴/۳۴۴

(۲) کتاب الآثار: ۴۵

اس منشا کو خوب سمجھ کر ہر جگہ اس کو ملحوظ رکھا ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

ایک حقیقت

مگر ایک بات یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ان ائمہ وعلما نے محض اپنی رائے اور قیاس سے نماز کا طریقہ مقرر نہیں فرمادیا؛ بل کہ بات یہ ہے کہ نماز ایک عملی چیز ہے، جس کو صحابہ سے تابعین، پھر ان سے ان کے بعد آنے والے لوگ عملی طریقے پر یکے بعد دیگرے لیتے آئے ہیں، اس طرح یہ طریقۂ نماز آج تک توارث وتعامل سے چلا آرہا ہے اور اس طریقے کا صحیح ہونا، ان علما کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، جنھوں نے اب سے بہت پیشتر تابعین وتبعِ تابعین سے اس کو حاصل کر کے اپنی کتابوں میں درج کردیا ہے؛ لہٰذا ہر ہر جزیئے کا، حدیث میں ملنا کوئی ضروری نہیں؛ بل کہ یہ متوارث ومتواتر عمل ہی اس کے لیے کافی وافی ثبوت ہے اور اس کی صحت پر وہ چند احادیث وآثار صاف وواضح دلیلیں ہیں، جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں۔

عورت اور مرد کی نماز میں فرق کے بارے میں دیگر ائمہ کا مسلک

اس رسالے میں اصل مقصود احناف کا مسلک بیان کرنا ہے، اس لیے جہاں ہم آگے چل کر طریقۂ نماز بیان کریں گے، تو احناف ہی کے نقطۂ نظر سے اس کو پیش کریں گے؛ لیکن جب یہاں یہ بحث آگئی ہے کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتنی بات دیگر ائمہ کے کلام سے بھی ثابت کردی جائے

تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق کے صرف احناف ہی قائل نہیں؛ بل کہ دیگر ائمہ بھی اس کے قائل ہیں۔

ہم نے اوپر امام شافعی رحمہ اللہ کی تحریر پیش کی ہے، جس سے ثابت ہوا کہ خود امام شافعی رحمہ اللہ بھی مرد وعورت کی نماز میں فرق کے قائل ہیں، اس کے علاوہ کچھ اور تصریحات بھی ملاحظہ فرمالیں۔

شافعی مسلک

شافعی مسلک کے مشہور ومعروف فقیہ ومحدث علامہ نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المنهاج" میں مرد کا طریقۂ نماز بتانے کے بعد فرماتے ہیں:

" وتضم المرأة والخنثى" (کہ عورت اور مخنث اعضا کو ملائے رکھے)(۱)

"مغني المنهاج شرح المنهاج " میں اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

" **أي بعضها إلى بعض في ركوعهما وسجودهما ، بأن تلصقا بطنهما بفخديهما ، لأنه أسترلها وأحوط له** ".(۲)

(وہ دونوں (عورت وخنثی) بعض اعضا کو بعض سے ملائیں، اپنے رکوع اور سجدے میں، اس طرح کہ اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملادیں؛ کیوں کہ یہ عورت کے لیے زیادہ پردے کا سبب اور خنثی کے لیے زیادہ احتیاط کا باعث ہے)

روضۃ الطالبین میں امام نووی رحمہ اللہ نے رکوع کی کیفیت میں لکھا ہے:

"ويجافي الرجل مرفقيه عن جنبيه ،ولا تجافي المرأة والخنثى".(۳)

---

(۱) المنهاج علىٰ هامش مغني المحتاج: ۱/۱۷۳

(۲) مغني المحتاج: ۱/۱۷۳

(۳) روضة الطالبين: ۱/۲۵۰

(مرد اپنی کہنیاں اپنے بازوؤں سے الگ رکھے اور عورت الگ نہ رکھے اور نہ خنثیٰ الگ رکھے)

اور اسی میں سجدے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' **ويرفع الرَجُل مرفقيه عن جنبيه و بطنه عن فخذيه،والمرأة تضم بعضها إلى بعض**''.(۱)

(مرد اپنی کہنیوں کو اپنے بازؤں سے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے اُٹھا کر رکھے اور عورت بعض حصے کو بعض سے ملا کر رکھے)

اسی طرح شافعی مسلک کے معروف عالم ''امام غزالی رحمہ اللہ'' نے ''احیاء العلوم'' اور ''بدایۃ الہدایہ'' میں مرد وعورت کی نماز میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ عورت رکوع میں اپنی کہنیوں کو بازوؤں سے ملا کر رکھے اور مرد الگ کر کے رکھے اور سجدے میں عورت مرد کی طرح کہنیوں کو بازؤں سے الگ اور پیروں کے درمیان جگہ نہ رکھے؛ بل کہ ملا کر رکھے۔(۲)

مالکی مسلک

ابن ابی زید کے رسالے کی شرح میں ابوالحسن مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**(وهي) أي امرأة (في هيئة الصّلوة مثلهٗ) أي مثل الرجل غيرأنها تنضمُّ ، ولا تفرج فخذيها ، ولا عضديها ، و تكون منضمةً منزويةً في جلوسها وسجودها و أمرها كله**''.(۳)

---

(۱) روضة الطالبين: ۱/ ۲۵۰

(۲) احياء العلوم: ۱/ ۱۵۴ ، بداية الهدايه علىٰ هامش مراقي العبودية : ۴۶ – ۴۷

(۳) شرح الرسالة على هامش كفاية الطالب الرباني : ۱/ ۲۱۷ . ۱/ ۲۱۸

(اورعورت نماز کے طریقے میں مرد ہی کی طرح ہے؛ مگر وہ مل ملا کر نماز پڑھے اور اپنی رانیں اور بازو کھول کر نہ رکھے اور جلسہ، سجدہ اور تمام حالات میں ملی ہوئی اور سُکڑی ہوئی ہو)

نیز نماز میں عورت کہاں تک ہاتھ اُٹھائے گی؟ اس کے بارے میں امام قرافی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے: ''وہ مرد سے کم ہاتھ اُٹھائے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے''۔(۱)

حنبلی مسلک

امام منصور البہوتی الحنبلی رَحِمَہُ اللہُ فقہِ حنابلہ کی مشہور کتاب '' المقنع'' کی شرح ''الروض المربع'' میں فرماتے ہیں:

''(والمرأة مثله) مثل الرجل في جميع ماتقدم حتىٰ في رفع اليدين لكن تنضم نفسها في الركوع والسجود وغيرهما،فلا تتجافىٰ، وتسدل رجليها في جانب إذاجلست، وهو أفضل أو متر ابعة ، وتسر بالقراء ة وجوباً ، إن سمعها أجنبي.(۲)

(عورت تمام امور میں، جو اوپر گذرے ہیں مرد کی طرح ہے، حتی کہ رفعِ یدین میں بھی: لیکن وہ اپنے آپ کو رکوع، سجدے اور دوسرے امور میں ملائے رکھے؛ لہٰذا (مرد کی طرح) کھل نہ جائے اور جب بیٹھے، تو پیروں کو ایک طرف نکال دے اور یہ افضل ہے، یا چوزانو بیٹھے اور اگر کوئی اجنبی سن رہا ہو، تو قرأت وجوبی طور پر آہستہ کرے)

---

(۱) الثمر الداني شرح رسالة القيرواني: ۱/۱۰۲، كفاية الطالب الرباني : ۱/۳۲۷

(۲) الروض المربع:۱۸۳

نیز علامہ ابن الجوزی حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "أحكام النساء" میں فرمایا کہ

"والمرأة في جميع ماذكرنا كالرجل، إلا أنها تجمع نفسها في الركوع ،والسجود، وتسدل رجليها في الجلوس، فتجعلها في جانب يمينها ، أو تجلس متربعةً.(۱)

(اورعورت اُن تمام باتوں میں جو ہم نے ذکر کیا ہے، مرد ہی کی طرح ہے،سوائے اس کے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنے آپ کو سمیٹے گی ،اور بیٹھنے میں اپنے پیروں کو داہنی جانب نکال دے گی ،یا چوزانوں بیٹھے گی)

عورت نماز میں زور سے قرأت کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فقہ حنبلی کی معروف ومستند کتاب "المبدع" میں لکھا ہے کہ:

"وأما المرأة فإن لم يسمعها أجنبي، فقيل:تجهر كالرجل ، و قيل: يحرم، قال أحمد: لاترفع صوتها، قال القاضي:أطلق المنع .(۲)

(اور رہی عورت،تو اگر کوئی اجنبی نہ سن رہا ہو،تو کہا گیا ہے کہ وہ مرد کی طرح زور سے پڑھے اور کہا گیا کہ زور سے پڑھنا اس کے لیے حرام ہے،امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ "وہ اپنی آواز بلند نہ کرے"،قاضی نے فرمایا کہ "امام احمد نے یہ بات مطلقاً بیان کی ہے")

اوراسی "المبدع" میں عورت کی نماز کا طریقہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"والمرأة كالرجل في ذلک كله إلا أنها تجمع نفسها في الركوع والسجود ،

---

(۱) أحكام النساء: ۲٦

(۲) المبدع: ۱/ ۴۴۴

وتجلس متربعةً،وتسدل رجليها ، فتجعلهما في جانب يمينها ". (۱)

(اورعورت اُن تمام باتوں میں مرد ہی کی طرح ہے،سوائے اس کے کہ وہ رکوع اورسجدے میں اپنے آپ کوسمیٹے گی اور بیٹھنے میں چوزانوں بیٹھے گی یا اپنے پیروں کو داہنی جانب نکال دے گی)

ہم نے یہاں شافعی ، مالکی وحنبلی تینوں مسالک کی معتبر ومستند کتابوں کے حوالے سے بتایا ہے کہ ان تمام مسالک میں بھی مرد وعورت کی نماز میں فرق کوتسلیم کیا گیا ہے اوراحناف کا مسلک تو واضح ہے !اوراس رسالے میں بھی اسی پر بحث ہے؛ لہٰذا ائمۂ اربعہ کے مسالک میں یہ بات متفقہ طور پرتسلیم کی گئی ہے کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے؛البتہ وہ کیا کیا فرق ہیں؟اورعورت کی نماز کی مکمل صورت کیا ہے؟اس بارے میں اختلاف ہوسکتا ہے؛چنانچہ بعض جزئیات میں اس بارے میں فقہا نے اختلاف کیا ہے ؛مگر یہ بحث اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے؛ کیوں کہ یہاں صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق ایک متفقہ بات ہےاورتمام فقہا نے اس کالحاظ کیا ہےاور یہ بات الحمدللہ خود ان مسالک کی معتبر کتب سے بخوبی ثابت ہوگئی؛ لہٰذا ہم آگےصرف حنفی فقہ کی رو سےعورت کی نماز کا طریقہ واحکام پیش کریں گے۔

عورت کی نماز کا طریقہ

اب ہم فقہائے کرام کے کلام سے فقہ حنفیہ کے مطابق عورت کی نماز کا طریقہ بیان کریں گے؛مگر چوں کہ مکمل طریقہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں؛ بل کہ صرف ان موقعوں کو بتانا ہے،جن میں مرد وعورت کی نماز میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے؛ لہٰذا ان

---

(۱) المبدع: ۱/۳۷۴

موقعوں کو بیان کرنے پر اکتفا کریں گے اور ساتھ ہی مرد کے لیے ان موقعوں کا کیا حکم ہے، اس کو بھی پیش کریں گے۔

تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے، اس میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے، مرد کے لیے تو کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور عورت کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ وہ کندھوں تک اپنے ہاتھ اٹھائے۔ (۱)

اس کی تائید حضرت امّ درداء رضی اللہ عنہا صحابیہ خاتون کے عمل سے ہوتی ہے کہ وہ ہاتھ کندھوں تک اٹھاتی تھیں، جیسا کہ اس کا حوالہ گزر چکا ہے؛ نیز ایک مرفوع حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس کو طبرانی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد اپنے کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور عورت اپنی چھاتیوں تک اٹھائے۔(۲)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راویہ ام یحیی بنت عبد الجبار ہے جس کو میں نہیں جانتا اور باقی راوی سب ثقہ ہیں۔(۳)

لہٰذا یہ روایت ایک روای کے مجہول ہونے کی وجہ سے کمزور ہوگی، تاہم تائید وتقویت کے لیے لی جا سکتی ہے اور مونڈھوں اور چھاتیوں میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، اس لیے دو روایتوں میں اختلاف کا شبہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد یہ بھی سن لیجیے کہ عورت کے لیے علما نے یہ حکم کیوں دیا ہے کہ وہ مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے؟ اس

---

(۱) البحرالرائق: ۱/۳۲۲، هداية: ۱/۸۴، بدائع الصنائع: ۱/۱۱۹. الجوهرة النيرة: ۱/۷۰، شامي: ۱/۵۰۴ (۲) المعجم الكبير للطبراني: ۲۲/۱۹ (۳) مجمع الزوائد: ۲/۱۰۳

کی وجہ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں کہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے۔(۱)

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

تکبیرِ تحریمہ کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، مردوں کے لیے اس کا مسنون طریقہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے کلائی پر حلقہ بنالے اور عورت کے لیے طریقہ یہ ہے کہ ''وہ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر سینے کے اوپر رکھے اور حلقہ نہ بنائے؛ بل کہ صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ لے''۔(۲)

اور اس کی وجہ بھی وہی ہے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لأنه أستر لها، فيكون في حقّها أولىٰ''(۳)

(کیوں کہ یہ عورت کے لیے زیادہ پردے کا سبب ہے؛ لہٰذا اس کے حق میں یہ بہتر ہوگا)

اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ حاشیہ شرح وقایہ میں فرماتے ہیں کہ ''ہمارے احباب نے عورت کے لیے اس کو اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ ہاتھ کا سینہ پر رکھنا عورت کے حق میں زیادہ پردے کا سبب ہے۔(۴)

رکوع کا طریقہ

رکوع کا طریقہ مرد کے لیے یہ ہے کہ وہ:

---

(۱) هدايه ۱: /۸۴

(۲) البحر الرائق: ۱/ ۳۳۹، الجوهرة النيرة: ۱/ ۷۵، درمختار مع الشامي: ۱/ ۴۸۷، الفقه على المذاهب الأربعة: ۱/ ۲۴۲

(۳) البحر الرائق: ۱/ ۳۰۳ (۴) عمدة الرعاية: ۱/ ۱۴۳

(۱) پورے طور پر جھک جائے کہ گردن پیٹھ اور سُرین ایک سیدھ میں ہو جائیں۔
(۲) دونوں ہاتھوں سے اپنے گھٹنے پکڑ لے اور انگلیاں کھلی رکھے۔
(۳) بازؤں کو اپنے پہلو سے جدا رکھے۔
(۴) گھٹنے موڑ کر نہ رکھے؛ بل کہ پنڈلیوں کی طرح سیدھا رکھے۔
اس کے برخلاف، عورت اس طرح رکوع کرے:
''وہ پورے طور پر نہ جھکے؛ بل کہ ذرا سا جھکے، گھٹنوں کو نہ پکڑے؛ بل کہ صرف ان پر ہاتھ رکھے اور انگلیاں ملا کر رکھے، بازو بھی پہلو سے ملا دے اور گھٹنوں کو موڑ کر رکھے''۔(۱)

اور ان سب امور کی وجہ بھی پردے ہی کا اہتمام ہے؛ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ اس موقعہ پر بحوالہ ''**معراج الدرایه مجتبی**'' سے نقل کرتے ہیں کہ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے لیے اس میں زیادہ پردہ ہے''۔ اسی طرح علامہ عبدالرحمان الجزیری رحمہ اللہ بھی ''**الفقه علی المذاهب**'' میں ان امور میں سے بعض کو ذکر کر کے ان کی وجہ یہی پردے کی بات بتاتے ہیں۔

سجدے کا طریقہ

مرد سجدہ اس طرح کرے کہ
۱- تمام اعضا جُدا جُدا ہوں، ہاتھ بغلوں سے اور رانیں پیٹ سے الگ ہوں۔
۲- سُرین کا حصہ اوپر کی طرف ہو۔
۳- ہاتھ زمین پر نہ بچھائے؛ بل کہ اٹھائے رکھے۔
۴- پیروں کے پنجے کھڑا کر کے ان کی انگلیاں قبلہ کی طرف کر دے۔
اور عورت ان تمام امور میں مرد سے مختلف ہے؛ چنانچہ اس کو چاہیے کہ وہ سجدہ

(۱) شامي: ۱/۴۹۴ و ۱/۵۰۴

اس طرح کرے کہ

۱-اس کے تمام اعضا ملے ہوئے ہوں، ہاتھ بغلوں سے، رانیں پیٹ سے ملی ہوئی ہوں۔(۱)

اس کی وجہ علامہ حصکفی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے درمختار میں یہ لکھا ہے کہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے۔(۲)

اور کتبِ شوافع میں سے " **مغنی المحتاج**" میں بھی یہی لکھا ہے، جیسا کہ اس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

۲-سُرین کے حصے کو اوپر کی طرف نہ اٹھائے؛ بل کہ اپنے جسم کو حتی الامکان زمین سے ملا کر پست رکھے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جو پہلے نمبر پر بحوالہ "مراسیل" ہم نے درج کی ہے۔

۳-اپنے ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر رکھے، مرد کی طرح اٹھا کر نہ رکھے۔(۳)

راقم کہتا ہے کہ بعض حدیثوں میں جو آیا ہے:" **وکان ینھٰی أن یفترش الرَجُل**"(۴)

(رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس بات سے منع فرماتے تھے کہ مرد اپنے ہاتھ بچھا دے) اس سے شاید اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ ہاتھ نہ بچھانے کا حکم مرد کے لیے

---

(۱) درمختار مع شامي: ۱/۵۰۴،الفقه علی المذاهب: ۱/۴۱۴، کنز الدقائق: ۲۵، البحرالرائق: ۱/۳۳۹

(۲) درمختار مع شامی: ۱/۵۰۴،نیز البحر الرائق: ۳۳۹ ، بدائع الصنائع: ۱/۲۱۰،بدائع: ۱/۲۱۰

(۳) شامی: ۱/۵۰۴،بدائع الصنائع: ۱/۲۱۰

(۴) مسلم: ۱/۱۹۵

ہے،عورت کے لیے نہیں۔

۴- اپنے دونوں پیر ایک طرف (داہنی طرف کو) نکال دے اور اپنے پیروں کو کھڑا نہ کرے۔(۱)

بیٹھنے کا طریقہ

نماز میں بیٹھنے کا طریقہ مرد کے لیے یہ ہے کہ

''وہ اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر انگلیوں کے بل کھڑا کر کے انگلیاں قبلے کی طرف کر دے اور ہاتھ کی نگلیاں گھٹنوں کے قریب ذرا کھول کر رکھے''۔

اور عورت کے لیے طریقہ یہ ہے کہ

''وہ اپنی سُرین کے بَل زمین پر بیٹھے اور اپنے دونوں پاؤں کو داہنی طرف نکال دے اور ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھے''۔(۲)

صاحبِ ہدایہ وصاحبِ بدائع عورت کو اس طرح بیٹھنے کا حکم دینے کی وجہ وہی بیان کرتے ہیں کہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے۔(۳)

مولانا ایوب ندوی صاحب کے شبہ کا جواب

عورت کے سجدے کی جو کیفیت لکھی گئی ہے، اس پر مولانا ایوب صاحب ندوی

---

(۱) البحر الرائق : ۱/ ۲۳۱ ،شامي : ۱/ ۵۰۴، بہشتی زیور:۱۶/۲

(۲) الشامي: ۱/۵۰۴ . ۵۰۴.البحر: ۱/۳۲۱، الجوهرة: ۱/ ۵۷ ، الآثار للإمام محمد : ۴۴ ،الهداية: ۱ /۹۳، الأشباه مع الحمو ي: ۳ / ۳۸۵

(۳) الهداية: ۱/۹۳، بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۱

بھٹکلی نے ایک اشکال کیا ہے، یہاں مناسب ہے کہ اس کا بھی جواب رقم کر دیا جائے مولانا کا کہنا ہے کہ حنفی عورتیں سجدے میں جو دونوں پیروں کو داہنی جانب نکال کر تورک کے ساتھ سجدہ کرتی ہیں، یہ صحیح نہیں۔

ایک تو اس لیے کہ یہ بات خود حضراتِ فقہائے حنفیہ کی کتابوں سے ثابت نہیں ہوتی اور کسی نے اس کو نہیں لکھا ہے۔

دوسرے اس لیے کہ اس کیفیت کے ساتھ سجدہ کرنے سے زمین پر گھٹنے نہیں لگتے، حالاں کہ حدیث میں سات اعضا پر سجدے کا حکم ہے۔

تیسرے اس لیے کہ سجدے میں مرد کی طرح عورت کو بھی پیروں کی انگلیاں قبلہ رو رکھنا سنت ہے اور تورک کے ساتھ سجدہ کرنے میں یہ سنت چھوٹ جاتی ہے۔

چوتھے اس لیے کہ فقہا نے عورت اور مرد کی نماز میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "**لاتنصب أصابع القدمين**"(عورت قدم کی انگلیاں کھڑے نہ کرے) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت قدم تو کھڑا رکھے گی؛ مگر انگلیاں موڑ لے گی اور مروجہ طریقے میں قدم ہی بچھا دیے جاتے ہیں، جو اس عبارت کے خلاف ہے

یہ خلاصہ ہے ان کے اشکالات کا جو انھوں نے احقر کے ایک پروگرام میں "بھٹکل" حاضری کے موقعے پر ملاقات کے دوران پیش کیا؛ لہٰذا ان کے مطابق عورت بھی مرد ہی کی طرح سجدہ کرے؛ البتہ مرد سرین کو اونچا کرے گا اور عورت سرین کو پست رکھے گی۔

الجواب : اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث اور فقہا کے کلام میں ہمیں اس سلسلے میں یہ بات ملتی ہے کہ عورت کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ سجدے میں خوب سمٹ جائے اور دبی دبی اس طرح سجدہ کرے کہ زمین سے اس کا جسم مل جائے اور پیٹ رانوں سے اور بازو پہلو سے مل جائیں؛ کیوں کہ اس میں اس کے لیے ستر کا

زیادہ اہتمام ہے اور یہی اس سے مطلوب ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر عورت تورک کرتے ہوئے سجدہ کرے تو یہ بات اس کو زیادہ حاصل ہے یا اس کے بغیر؟ ظاہر یہی ہے کہ تورک کرتے ہوئے سجدہ کرنے میں زمین سے جسم کا چمٹنا اور جسم کا دبے رہنا زیادہ پایا جاتا ہے؛ لہٰذا اسی کو احادیث اور فقہا کے کلام کی روشنی میں سمجھایا گیا اور اسی کے مطابق عمل جاری ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ فقہاء نے اس کو نہیں لکھا ہے، یہ بات صحیح نہیں، کیوں کہ جب انہوں نے سمٹنے اور دبنے اور زمین سے جسم کو ملا دینے کی بات لکھی ہے تو اس کا مفہوم و مصداق ہی مذکورہ ہیئت وصورت ہے، اور فقہاء کے کلام سے بعد کے دور کے علماء و مفتیان نے یہی سمجھا ہے؛ چناں چہ علامہ عبدالحئیؒ لکھنویؒ جیسے محقق نے اور مولانا تھانوی جیسے فقیہ نے اور ان کے علاوہ سبھی علماء نے فقہاء کے کلام کا یہی مطلب سمجھا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ فقہاء نے اس کو لکھا ہے، اگر چہ تورک کے الفاظ نہیں لکھے، لیکن اس کی جانب مشیر الفاظ لکھے ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہر بات صراحت کی محتاج نہیں ہوتی، بلکہ بعض مواقع پر اشارے و کنائے بھی مفید مطلب ہوتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ اس صورت میں عورت کے گھٹنے زمین پر نہیں لگتے، اور یہ احادیث کے خلاف ہے تو عرض ہے کہ پورے گھٹنے تو مرد کے بھی نہیں لگتے، اور یہ مراد بھی نہیں ہے بلکہ کچھ حصہ کا لگ جانا کافی ہے، اور کچھ حصہ تو عورت کے گھٹنے کا بھی لگ جاتا ہے اور یہ کافی ہے۔

رہا تیسرا شبہ کہ اس صورت میں انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہتیں تو جواب یہ ہے کہ جب عورت تورک کرتے ہوئے اپنے دونوں پیروں کو ملا دے تو یہ سنت ایک حد تک ادا ہو جاتی ہے، جیسے خود جلسہ میں بھی یہ انگلیوں کا قبلہ رو رکھنا سنت ہے اور تورک کے ساتھ جلسہ کرنے والے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی کوئی قابل اشکال بات نہیں ہے۔

اورآخری اشکال کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کہ کلام میں انگلیاں کھڑی نہ کرنے سے مراد خود قدم کا کھڑا نہ کرنا ہے، کیوں کہ جب فقہاء مرد وعورت کی نماز میں فرق بیان کرتے ہوئے یہ لکھ رہے ہیں کہ عورت انگلیاں کھڑی نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ یہ کام مرد نہ کرے، اور ظاہر ہے کہ مرد کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ انگلیاں کھڑی نہ کرے، بلکہ ان کو حتی الامکان قبلہ رو کر دے، تو آخر فقہاء کے اس کلام میں مرد عورت کے طریقہ میں فرق ہی کیا ہوا؟ لہٰذا یہاں انگلیوں سے مراد خود قدم ہیں، ورنہ کلام لغو ہو جائے گا۔ اسی لیے متعدد حضرات علماء نے اس کلام سے یہی مراد لیا ہے کہ عورت اپنے قدم کھڑی نہ کرے بلکہ زمین پر رکھ دے۔(۱)

عورت کی نماز کے دیگر احکام

یہاں تک طریقۂ نماز کے متعلق بحث تھی۔ اب عورت کی نماز سے متعلق دیگر احکامات پیش کئے جاتے ہیں۔

سترِ عورت

عورت کا پورا بدن ستر ہے، سوائے تین چیزوں کے: چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم، یعنی نماز میں اور نماز کے باہر بھی اس کا ڈھانکنا وچُھپانا فرض ہے۔(۲)

مذکورہ تین اعضا کے سوا کوئی حصہ بھی کھلا نہیں ہونا چاہیے؛ چنانچہ حدیث میں ہے:

أن أسماء بنت أبي بكر دخلتْ على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله وقال: "يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض

---

(۱) اس مسئلہ کی پوری بحث کے لئے دیکھیے امداد الأحکام: ۲/۱۰۱ تا ۱۱۱

(۲) الأشباه مع الحموي: ۳/۳۸۲، هدايه: ۱/۷۶

لم يصلح لها أن يرى منها إلاّ هذا وهذا" وأشار إلىٰ وجهه وكفيه.(۱)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریک کپڑے پہن کر آئیں، تو آپ نے فرمایا کہ "عورت جب بالغ ہو جائے، تو اس کے لیے یہ اچھا نہیں کہ اس کا کوئی حصہ نظر آئے؛ مگر یہ اور یہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اشارہ کیا چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف)

معلوم ہوا کہ عورت کا پورا بدن ستر میں داخل ہے، سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے اور بعض علما نے ضرورت اور حرج کا خیال کرتے ہوئے قدموں کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔(۲)

ہاتھ کو آستین سے نہ نکالے

تکبیرِ تحریمہ کے وقت مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنی ہتھیلیاں آستین سے باہر نکال لے؛ مگر عورت اپنی ہتھیلیاں آستین کے باہر نہ نکالے بل کہ اندر ہی

---

(۱) ابوداؤد:۲/۵۶۷۔اس روایت کو دو وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے، ایک تو اس لیے کہ امام ابوداؤد نے اس کو منقطع قرار دیا ہے، کیوں کہ خالد بن دریک راوی جو اس حدیث کو حضرت عائشہ سے راویت کرتے ہیں انھوں نے حضرت کو نہیں پایا، مگر یاد رہے کہ احناف کے یہاں قرون صحابہ، تابعین و تبع تابعین کا انقطاع جرح نہیں ہے۔(اصول بزدوی:۱۷۱)

دوسرے اس لیے کہ اس کے ایک راوی سعید بن بشیر پر بعض ائمہ نے کلام کیا ہے، مگر معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی بہت سے ائمہ نے توثیق بھی کی ہے، سعید القطان نے کہا کہ سچے ہیں، صدوق الحدیث ہیں، ابن عینیہ نے کہا کہ حافظ ہیں، عبدالرحمان بن ابراہیم نے کہا کہ ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم اور ابوزرعہ نے کہا کہ ان کا مقام صدق ہے۔(تہذیب التہذیب:۴/۹۔۱۰)

(۲) الهداية: ۱/ ۷۶

رہنے دے۔(۱)

قرأت آہستہ کرے

نمازیں دو طرح کی ہیں: ایک وہ جن میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے، جیسے فجر، مغرب اور عشا، اور بعض وہ ہیں، جن میں آہستہ قرأت ہوتی ہے، جیسے: ظہر اور عصر، مرد کے لیے؛ جب کہ وہ امام ہو، جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے اور امام نہ ہو؛ بل کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کو اختیار رہے کہ چاہے تو بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ پڑھے؛ لیکن عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ تمام نمازوں میں قرأت آہستہ کرے، زور سے نہ پڑھے۔(۲)

امام ابوالحسن مالکی فقہ مالکی کی معتبر کتاب "**رسالة ابن أبي زيد**" کی شرح میں یہ مسئلہ لکھنے کے بعد کہ "عورت صرف اتنی آواز سے پڑھے کہ دوسرا نہ سن سکے؛ بل کہ صرف اپنی ذات کو سنائے"، اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ "عورت کی آواز بھی عورت، یعنی ستر ہے اور بسا اوقات اس کی آواز سے فتنہ ہو جاتا ہے، اسی لیے باتفاقِ علما وہ اذان نہیں دے سکتی"۔(۳)

فجر کی نماز جلدی پڑھ لے

احناف کے نزدیک فجر کی نماز میں مردوں کے لیے اِسفار کرنا مستحب ہے، اِسفار کے معنے ہیں روشنی پھیل جانا، مراد یہ ہے کہ جب آسمان پر سفیدی پھیل جائے،

---

(۱) الشامي: ۵۰۴/۱

(۲) البحر الرائق: ۳۲۱/۱ الشامي: ۵۰۴/۱، الأشباه: ۳۸۴/۳

(۳) شرح الرسالة علی هامش كفاية الطالب الرباني: ۲۱۷/۱

وفجر کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے؛ مگر عورت سفیدی ظاہر ہونے سے پہلے اندھیری میں ہی فجر پڑھ لے، جس کو غلس کہتے ہیں، اس کے لیے یہی مستحب ہے۔(۱)

بضرورت تالی بجا سکتی ہے

نماز میں اگر کوئی بات پیش آجائے، مثلاً نماز کے دوران کوئی شخص دروازے پر دستک دے یا اپنے امام کو سہو ہو جائے، تو مرد "سبحان اللہ" کہہ کر دستک دینے والے کو اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع دے اور امام کو سہو پر تنبیہ کرے اور عورت ایسے موقعہ پر تالی بجائے، جیسا کہ احادیث کے تحت اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور تالی بجانے کا طریقہ بعض علما نے یہ بیان کیا ہے کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر مارے، ہتھیلی کو ہتھیلی کے اندرونی حصہ پر نہ مارے۔(۲)

اور بعض فقہانے یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر مارے۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ عام طور پر کھیل تماشے میں ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کے اندرونی حصہ پر مار کر جو تالی بجاتے ہیں، یہ طریقہ نماز میں نامناسب ہے؛ بل کہ علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس طریقے سے تالی بجانے پر نماز فاسد ہو جائے گی۔(۴)

احناف کے نزدیک فاسد تو نہ ہوگی؛ مگر اچھی بات نہیں ہے۔

---

(۱) الشامي : ۱/۵۰۴، البحر الرائق : ۱/۲۶۰

(۲) شرح مسلم للنووي: ۱/۱۷۹

(۳) البحر الرائق: ۲/۱۸، شامي: ۱/ ۶۳۸

(۴) شرح مسلم للنووي : ۱/۱۷۹

عورتیں جماعت نہ کریں

عورتیں جماعت نہ بنائیں؛ بل کہ تنہا تنہا نماز پڑھیں ،اسی میں ان کے لیے بھلائی اور خیر ہے اور جماعت بنانے میں حدیث کی رو سے ان کے لیے خیر و بھلائی نہیں ہے ۔ یہ حدیث اور اس کا حوالہ اور اس پر کلام اوپر گذر چکا ہے ؛ لہٰذا ان کے لیے جماعت بنانا مکروہ ہوگا ،جیسا کہ فقہا نے لکھا ہے ۔(۱)

اور جو بعض صحابیہ عورتوں سے جماعت بنانا مروی ہے، یہ کبھی کبھی اور کسی مصلحت سے ہوا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ان روایات کے تحت عرض کیا ہے۔

عورتیں مسجد میں حاضر نہ ہوں

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عورت کے لیے گھر میں نماز پڑھنا افضل اور بہتر قرار دیا ہے اور یہ اُس دور کی بات ہے؛ جب کہ عورتوں میں شرم وحیا، پردے اور حجاب کا کامل اہتمام تھا؛ پھر اس کے بعد شرم وحیا اور پردے کا اتنا اہتمام نہ رہا، تو صحابہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا اور منع فرمایا۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

﴿ لوأن رسول اللّٰه ﷺ رأى ما أَحْدَثَ النساءُ لَمَنَعَهُنَّ المسجد كما مُنِعَتْ نِسَاءُ بني إسرائيل. الخ﴾(۲)

(اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو دیکھتے، جو عورتوں نے (بے

---

(۱) الأشباه: ۳/۳۸۴،البحر الرائق: ۱/۳۸۲،الدر المختار: ۱/۵۶۵

(۲) مسلم: ۱/۱۸۳ ، أبوداؤد: ۱/۸۴

پردگی وغیرہ کی) پیدا کرلی ہیں، تو مسجد میں آنے سے ان کو ضرور منع فرمادیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ جمعہ میں عورتوں کو مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا کہ تم اپنے گھروں کی طرف جاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی میں بعض باتیں ایسی پیدا ہوگئی تھیں، جن کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے سے منع کیا۔ اب غور کیجیے! کہ اس زمانے میں جب کہ بے پردگی اور بے حیائی عام سے عام تر ہوتی جارہی ہے اور ہر طرف فتنہ ہی فتنہ نظر آتا ہے، عورتوں کے لیے کیسے اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ مسجد میں حاضر ہوں؛ لہٰذا ان کو مسجد میں نہ آنا چاہیے اسی کو فقہائے حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔(۲)

البتہ فقہا نے بوڑھی عورت کو اجازت دی ہے؛ مگر احناف میں سے متاخرین نے بوڑھی عورتوں کو بھی منع کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے؛ البتہ بہت ہی بوڑھی عورت جس کی طرف میلان نہ ہوتا ہو، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔(۳)

یہاں یہ بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ بعض کتبِ فقہ میں بوڑھی عورتوں کو صرف مغرب، عشا اور فجر میں مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت امام اعظم رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے۔(۴)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۱/۱۵۶

(۲) الهداية: ۱/۱۰۵، درمختار مع شامي: ۱/۵۶۶

(۳) درمختار: ۱/۵۶۶

(۴) الهداية: ۱/۱۰۵

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ظہر اور عصر میں فساق وفجار لوگ گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور شہوت کی شدت سے ممکن ہے کہ یہ فساق بوڑھی عورتوں سے بھی ملوث ہو جائیں ؛ لہٰذا ظہر اور عصر میں بوڑھی عورت کو بھی نکلنے کی اجازت نہیں اور مغرب میں یہ لوگ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور فجر وعشا میں سونے میں مشغول رہتے ہیں ؛ لہٰذا ان اوقات میں بوڑھی عورت کو مسجد جانے کی اجازت ہے۔(۱)

اس تقریر سے ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ امام اعظم رَحِمَہُ اللہُ نے بوڑھی عورتوں کو بھی محلِ فتنہ تسلیم کیا ہے، اسی لیے دن میں نکلنے کی اجازت نہیں دی ہے اور رات میں نکلنے کی اجازت بھی اس وجہ سے دی ہے کہ اس زمانے میں فساق وفجار رات کے وقت گھومتے پھرتے نہیں تھے۔

لیکن اِس زمانے میں دن سے زیادہ رات کو فساق وفجار اپنی ہوس کے شکار کے لیے گھومتے رہتے ہیں، تو پھر خود امام اعظم رَحِمَہُ اللہُ کے مذہب کی رو سے رات میں بھی بوڑھی عورتوں کو نکلنے سے منع کرنا چاہیے، یہی فقہ وتفقہ کا تقاضہ ہے۔

علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ نے ''نہر الفائق'' سے نقل کیا ہے کہ رات میں بوڑھی عورتوں کو نکلنے سے منع کرنا بھی امام اعظم رَحِمَہُ اللہُ ہی کے قول سے ماخوذ ہے؛ کیوں کہ امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ نے ان کو نکلنے کی اجازت اس لیے دی تھی کہ فساق رات میں گھومتے نہیں ہیں؛ لیکن جب اِن دنوں میں ان کے فسق کے غلبہ کی وجہ سے وہ رات میں بھی گھومتے پھرتے ہیں؛ بل کہ عورتوں کی تلاش میں رہتے ہیں، تو رات میں دن سے زیادہ منع کرنا چاہیے۔(۱)

---

(۱) الهداية: ۱/ ۱۰۵

(۲) منحة الخالق علىٰ بحر الرائق: ۱/ ۳۵۹، ردالمختار: ۱/ ۵۶۶

الغرض! موجودہ زمانے میں عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (واللّٰہ أعلم)

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے اور اس بنا پر یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی دعوت دی جاتی تھی اور یہ کہ عورتوں کو بھی جماعت میں حاضری کا ایسا ہی حکم ہے جیسا مردوں کو ہے، اس لیے اس پر اصرار اور اس کے لیے اشتہار کا بھی ان لوگوں کی طرف سے ایک سلسلہ چلتا ہے؛ حالاں کہ کسی بھی حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عورتوں کو مساجد میں آنے کا حکم یا اس کی فضیلت ہے، بل کہ زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس زمانے میں (جو کہ خیر وشرم وحیا کا دور تھا) عورتوں کو مساجد میں آنے کی صرف اجازت دی تھی اور اسی اجازت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی صاف طور پر بتادیا کہ عورت کے لیے فضیلت اس میں ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھے۔

چنانچہ حضرت اُم حمید الساعدیہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم عورتیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں؛ مگر ہمارے شوہر ہمیں منع کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

" صلا تُكنَّ في بُيوتِكُنَّ خيرٌ من صلا تِكُنّ في دُوَرِكُنَّ، و صلاتكُنّ في دُوَرِكُنّ أفضلُ من صلا تكنّ في مسجد الجَمَاعة "(۱)

(تم عورتوں کی نماز تمہارے گھروں کے اندر اس نماز سے افضل ہے، جو گھروں کے دالان میں ہو اور گھروں کے دالان میں تمہاری نماز افضل ہے، اس نماز

(۱) سنن البيهقي: ۳/۱۳۲، ابن أبي شيبة: ۲/۱۵۷، معجم كبير طبراني: ۲۵/۱۴۸، الآحاد والمثاني: ۶/۱۵۰

سے، جو مسجدِ جماعت میں ہو)

الغرض! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ واضح کر دیا کہ عورت کے لیے مسجد کے بہ جائے اس کا گھر ہی افضل ہے اور جو اجازت تھی، وہ اُس دور کے لحاظ سے تھی، جب حالات بدل گئے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، (جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مزاج شناس تھے) نے عورتوں کو مسجد میں حاضری سے منع بھی کر دیا اور ہمارے لیے صحابہ بھی لائقِ اتباع ہیں۔

پھر اس حدیث سے ایک خاص بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرام خود اس دور میں بھی اپنی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کیا کرتے تھے، اسی لیے حضرت اُمِ حمید رضی اللہ عنہا نے آپ کے سامنے اس کا ذکر کیا؛ مگر اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی؛ بل کہ منع کرنے والوں کی تائید میں یہ بتایا کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا ہی افضل ہے۔

اس سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ عورتوں کا مساجد میں آنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا نہیں تھا؛ بل کہ آپ کا منشا ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مساجد میں نہ آئیں۔

عورت امامت نہ کرے

عورت امامت بھی نہ کرے، نہ مردوں کی نہ عورتوں کی، مردوں کی امامت تو درست ہی نہیں اور اس کی امامت میں نماز پڑھنے والے مردوں کی نماز ہی نہیں ہوتی اور اس پر تمام ائمہ وعلما کا اجماع ہے۔

علامہ ابن حزم الظاہری نے "مراتب الإجماع" میں لکھا ہے کہ

"واتفقوا أن المرأة لا تؤم الرجال ،وهم يعلمون أنها امرأة ،فإن

فعلوا فصلا تهم فاسدة بإجماع ". (۱)

(علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی ؛ جب کہ یہ لوگ جانتے ہوں کہ وہ عورت ہے اور اگرانہوں نے ایسا کیا، تو ان کی نماز باجماع و اتفاق فاسد ہے)

اور "الموسوعة الفقهية" میں ہے کہ

" يشترط لإمامة الرجال أن يكون الإمام ذكراً ، فلا تصح إمامة المرأة للرجال، وهٰذا متفق عليه بين الفقهاء. (۲)

(مردوں کی امامت کے لیے امام کا مرد ہونا شرط ہے ؛ لہٰذا عورت کا مردوں کی امامت کرنا صحیح نہیں اور یہ حکم تمام فقہا کے مابین اتفاقی ہے)

اور عورت عورتوں کی بھی امامت نہیں کرسکتی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "عورت امامت نہ کرے"۔ (اس حدیث کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے) اور اس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو اگر چہ کہ بہت ضعیف ہے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیثِ موقوف کو تائید کے لیے لی جاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک لمبی روایت میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: " لا تَؤُمَّنَّ امرأةٌ رَجُلاً "(کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے)(۳)

---

(۱) مراتب الإجماع لابن حزم الظاهري :۲۷

(۲) الموسوعة الفقهية :۶/۲۰۴

(۳)سنن ابن ماجه: ۱/۷۵. راقم کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راوی ولید بن بکیر ابو جناب کی ائمۂ حدیث نے تضعیف کی ہے، تاہم بعض نے ان کی توثیق بھی کی ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ان اس کا ذکر کیا ہے۔...

ہاں اگر عورت عورتوں کی امامت کرے، تو نماز ہو جائے گی؛ مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

امام عورت آگے نہ کھڑی ہو

اگر عورت عورتوں کی امامت کرے، تو مردوں کی طرح صف سے آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو؛ بل کہ صف ہی میں درمیان میں کھڑی ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے کیا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ یہ آثار اور ان کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

عورت پر اذان واقامت نہیں ہے

عورت پر اذان اور اقامت نہیں ہے، وہ بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھے، اس کے لیے اذان حنفیہ و مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے۔(۱)

اور اقامت بھی حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔(۲)

اس کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی موقوف روایات ہیں،

.................دیکھو: تهذيب الكمال: ۵/۳۱، الکاشف: ۳۵۰/۲، تهذيب التهذيب: ۱۱۵/۱۱، الثقات: ۲۲۳/۹)، اور اس کا دوسرا راوی عبد اللہ بن محمد العدوی انتہائی ضعیف ہے، امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث اور ابو حاتم نے ''شیخ مجہول'' کہا ہے، اور امام وکیع نے کہا کہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (التاريخ الكبير : ۱۹۰/۵ ، تهذيب التهذيب :۱۹/۶، المجروحين: ۹/۲)

اور تیسرے علی بن زید بن جدعان ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے تضعیف کی ہے۔ (تهذيب الكمال:: ۳۳۶/۲۰-۳۴۰)

(۱) الفقه على المذاهب الأربعة : ۳۲۰/۱

(۲) الفقه على المذاهب الأربعة : ۳۲۰/۱

جو اوپر گزر چکی ہیں، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم بغیر اقامت نماز پڑھتے تھے۔(۱)

اور جو بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان واقامت کہتی تھیں، یہ کبھی کبھی کسی مصلحت سے کرنے پر محمول ہے۔(واللہ أعلم)(۲)

عورت پر جمعہ کی نماز نہیں

عورت پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے ،وہ جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر کی نماز ادا کرے گی ،ابوداؤد نے حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

﴿ عن طارق بن شهاب رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة، عبد مملوک ، أوامرأة ، أو صبي، أو مريض ﴾(۳)

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے،سوائے چار قسم کے لوگوں کے: ایک غلام ،دوسرے عورت، تیسرے بچہ، چوتھے مریض)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''تلخیص الحبیر'' میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی متعدد حضرات نے تصحیح کی ہے۔(۴)

---

(۱) رواه البيهقي كما في إعلاء السنن عن التلخيص الحبير: ۲/ ۱۲۵

(۲) الحاكم كذا في الإعلاء: ۲/ ۱۲۴

(۳) أبو دائود: ۱/ ۱۵۳

(۴) تلخيص الحبير: ۲/ ۶۵

نیز حضرات صحابیات بھی سب کی سب جمعہ میں نہیں آتی تھیں ؛ بل کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''بہت کم صحابیات جمعہ میں حاضر ہوا کرتی تھیں''۔(۱)

اس حدیث اور حضراتِ صحابیات کے طرزِ عمل سے معلوم ہوا کہ عورت پر جمعہ نہیں ہے، یہی فقہائے احناف کا قول ہے۔(۲)

اور یہی مسلک ائمۂ ثلاثہ ''امام مالک''، ''امام شافعی''، ''امام احمد بن حنبل'' کا بھی ہے، جیسا کہ '' **الفقه علی مذاهب الاربعه**'' سے ظاہر ہے۔(۳)

عورت پر عید کی نماز نہیں

عورت پر جمعہ کی طرح عید کی نماز بھی نہیں ہے۔(۴)

کیوں کہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور عورت کو جماعت میں حاضر ہونے سے منع کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے؛ لہٰذا ان پر عید کی نماز فرض نہیں ہے اور نہ ان کو عید گاہ میں جانا چاہیے؛ کیوں کہ عید گاہ جانے میں فتنے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

ہاں! اس مسئلہ میں سلَف سے اختلاف چلا آ رہا ہے، سلَفِ صالحین میں سے بعض حضرات سے منع منقول ہے، ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے منع نقل کیا گیا ہے۔(۵)

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیة: ۶/۴۵۸

(۲) شامي: ۱/۵۰۴، الأشباه و النظائر: ۳/۳۸۲

(۳) الفقه علیٰ مذاهب الأربعة: ۱/۳۷۸-۳۸۱

(۴) شامي: ۱/۵۰۴، الأشباه و النظائر: ۳/۳۸۲

(۵) فتح الباري: ۲/۴۷۰

اور حضرت نافع رحمہ اللہ جو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، اُن کے بارے میں نقل کیا گیا ہے، وہ اپنی عورتوں کو عید میں (عیدگاہ) نہیں لے جاتے تھے۔(۱)

امام محمد رحمہ اللہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ عیدین میں عورتوں کو نکلنے کی اجازت پہلے دی جاتی تھی؛ لیکن اب یہ درست نہیں کہ وہ نکلیں؛ سوائے اس کے جو بہت ہی بوڑھی ہو، اس کے نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

اور بعض حدیثوں میں جو یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بھی عیدگاہ جانے کا حکم دیا، جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (عورتوں کو) حکم دیتے تھے کہ ہم عیدگاہ جائیں اور جو حیض والی ہو، وہ نماز سے دور رہے اور دعا میں شامل ہوجائے۔(۳)

اس سے اولاً تو وجوب ثابت نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اس میں ان عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، جو سرے سے مکلّف ہی نہیں ہیں، جیسے حائضہ عورت۔(۴)

دوسرے یہ شروع اسلام میں حکم تھا؛ جب کہ مسلمان تھوڑے تھے، بعد میں اللہ کے صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نکلنے سے منع کردیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔(۵)

---

(۱) عبدالرزاق: ۳/۳۰۳

(۲) الحجة على أهل المدينه: ۳۰۶

(۳) بخاری: ۱/۱۳۳، مسلم: ۱/۲۹۰

(۴) قاله ابن حجرفي فتح الباري: ۲/۴۷۰

(۵) الطحاوي: ۱/۱۹۲

ویسے علما کے اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں، علامہ شوکانی نے ''نیل الأوطار'' میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں:

۱- عورتوں کا عید کے لیے نکلنا مستحب ہے اوران علما نے حدیث میں وارد امر کو نُدب واستحباب پر محمول کیا ہے۔

۲- بوڑھی عورت کو مستحب ہے، جوان کے لیے نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر۔ جمہور شافعیہ اسی پر ہیں۔

۳- صرف جائز ہے، مستحب نہیں، امام احمد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

۴- مکروہ ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری، ابن المبارک سے یہی نقل کیا ہے، اور امام مالک وابویوسف رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

۵- حق وواجب ہے، حضرت ابوبکر وعلی وابن عمر سے یہی نقل کیا گیا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ علمائے حنفیہ کا یہ کہنا کہ عید کے لیے عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے، سلَفِ صالحین میں سے متعدد حضراتِ ائمہ کا مختار قول ہے۔ علمائے حنفیہ اس میں متفرد نہیں ہیں، جیسا کہ بعض لوگ عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ علمائے حنفیہ کا نقطۂ نظر احادیث کے خلاف نہیں ہے۔

عورت صف میں تنہا کھڑی ہوسکتی ہے

عورت اگر کبھی جماعت میں حاضر ہو اور صف بھری ہوئی ہو اور ساتھ میں کوئی اور عورت صف بنانے کے لیے نہ ہو، تو وہ صف کے پیچھے تنہا کھڑی ہوسکتی ہے اور اس کا تنہا کھڑا ہونا بھی صف ہی کے حکم میں ہوگا۔

---

(۱) نیل الأوطار: ۳۵۴/۲

حدیث میں ہے: ''المرأة وحدها صفّ''(۱)

حالاں کہ مرد کے لیے اس کی ممانعت ہے کہ تنہا صف میں کھڑا ہو؛ بل کہ بعض حدیثوں میں فرمایا کہ اس شخص کی نماز ہی نہیں ہوتی، جو صف کے پیچھے کھڑا ہو۔ (۲)

چند شبہات اور اس کے جوابات

اخیر میں چند شبہات کا جواب دے دینا بھی ضروری ہے، جو بعض لوگوں کو اس سلسلے میں خلجان میں مبتلا کر دیتے ہیں:

پہلا شبہ اور اس کا جواب

ایک شبہ یہ دامن گیر ہوتا ہے (جیسا کہ بعض حضرات نے مجھ سے اس شبہے کا اظہار کیا ہے) کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿صلوّا کما رأیتموني أُصلي﴾ (تم اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز پڑھی ہے، اسی طریقے پر مرد وعورت دونوں کو نماز پڑھنا چاہیے؛ کیوں کہ آپ کا یہ خطاب اور حکم پوری امت کو ہے، جس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی داخل ہیں اور مرد وعورت کی نماز میں تفریق کی صورت میں آپ کے اس ارشاد کے خلاف لازم آتا ہے؟

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جیسے میں نے تم کو تعلیم دی ہے، ویسے نماز پڑھو، مردوں کو جیسے تعلیم دی ہے، وہ اسی طریقہ پر نماز پڑھیں

---

(۱) فتح الباري: ۲/۲۱۲

(۲) طحاوي: ۱/۱۹۲، بلوغ المرام: ۳۰

(۳) بخاري: کتاب الأذان: ۸۸، دارمي: ۱۲۲۵

اور عورتوں کو جس طرح تعلیم دی ہے، وہ اسی کے مطابق نماز ادا کریں؛ ورنہ اس حدیث کا کیا جواب ہوگا، جس میں آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ ”عورت اس بارے میں مرد کی طرح نہیں ہے“، نیز ان احادیث کا کیا کیجیے گا، جو اوپر درج کی گئی ہیں؟

معلوم ہوا کہ اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے؛ بل کہ اس کا مطلب وہ ہے، جو اوپر ذکر کیا گیا، پھر غور کیجیے! کہ اگر اس کا ظاہری مطلب مراد لیں، تو لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے سارے لوگ اس پر عمل کرتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے کہیں اور جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ بھی زور سے پڑھیں اور اس کے بعد کی سورت بھی پڑھیں اور بلند آواز سے پڑھیں، کیوں کہ آپ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے؛ حالاں کہ یہ اس کا مطلب نہ کبھی کسی نے نہیں لیا اور نہ لیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ ﷺ تو تکبیر بلند آواز سے اور قرأت زور سے اس وقت کرتے تھے، جب کہ آپ ﷺ امام ہوتے تھے اور اسی کے مطابق امام کو کرنا چاہیے اور مقتدی ہونے کی حالت میں آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا؛ اس لیے مقتدی کو اس کی اجازت نہ ہوگی؟

تو میں کہتا ہوں کہ مذکورہ حدیث کی یہ تاویل، خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا مذکورہ بالا ارشاد اپنے ظاہر پر محمول نہیں، بل کہ اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ جس طرح تعلیم دی گئی ویسا نماز پڑھو، نہ یہ کہ جیسا مجھ کو دیکھتے ہو ویسا کرو، اگر جیسا آپ ﷺ کو کرتے دیکھا ویسا کرنے کی اجازت ہوتی، تو تمام مقتدی آپ کی طرح کرنے کے مجاز؛ بل کہ مأمور ہوتے؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

غرض یہ کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس جملے سے یہ بتایا ہے کہ جیسے میری تعلیم ہے، اسی کے مطابق نماز پڑھی جائے؛ لہٰذا مرد کو اس تعلیم پر عمل کرنا چاہیے، جو اس کو دی گئی ہے اور عورت کو اس پر، جو اس کو دی گئی ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ یہ ہے کہ امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ نے اپنی صحیح میں حضرت مکحول رَحِمَہُ اللہُ سے نقل کیا ہے کہ حضرت اُمِّ درداء رَضِیَ اللہُ عَنْہَا نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ بڑی فقیہہ تھیں۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت مردوں کی طرح بیٹھے، نہ کہ اس طریقے پر، جو آج عورتوں نے اختیار کیا ہے؟

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ یہ اُمِّ درداء رَضِیَ اللہُ عَنْہَا جن کا حوالہ امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ نے دیا ہے، وہ اُم درداء نامی صحابیہ خاتون نہیں ہیں؛ بل کہ یہ اُمِّ درداء ایک تابعیہ بزرگ خاتون ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رَحِمَہُ اللہُ نے شرحِ بخاری میں اس کی وضاحت کی ہے۔(۲)

لہٰذا ان کا قول و عمل دوسرے مجتہدین؛ بل کہ صحابہ کرام کے مقابلہ میں حجت اور قابل قبول نہیں ہوسکتا اور یہاں تو صرف مجتہدینِ امت اور صحابہ ہی کے خلاف نہیں؛ بل کہ ان کا یہ عمل رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی روایت، جس میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عورتوں

---

(۱) بخاري: ۱/۱۱۴

(۲) فتح الباري: ۳۰۶۲

کے بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا ہے، یہ صاف طور پر اُم درداء کے عمل کا رد کرتی ہے؛ لہٰذا ان کا عمل حجت نہیں ہوسکتا؛ البتہ ہم خود ام درداءؒ کے عمل میں یہ تاویل کر کے کہ انہوں نے کسی عذر سے ایسا کیا ہوگا، ان کو معذور کہنا اچھا سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ یہ حضرت اُم درداء بڑی فقیہہ اور نیک خاتون تھیں اور بڑی زاہدہ عورت تھیں، جیسا کہ ابنِ حبان اور ابنِ حجر رحمہما اللہ نے فرمایا ہے۔(۱)

دوسرے یہ کہ حضرت مکحول رحمۃ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ اُم درداءؒ مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں، تو بہت ممکن ہے کہ اس سے ان کی مراد بعض کیفیتوں میں مرد کی طرح بیٹھنا ہو، جیسے یہ بھی بعض ائمہ کا مسلک ہے۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک آخری قعدے میں مرد اور عورت دونوں اس طرح بیٹھیں گے کہ دونوں پیر داہنی طرف نکال دیں گے اور سرین کے بل زمین پر بیٹھیں گے؛ مگر اس کے باوجود بعض کیفیتوں میں دونوں کے درمیان فرق انہوں نے کیا ہے؛ چنانچہ آپ نے عورت کو رکوع اور سجدے کی طرح بیٹھنے میں بھی اسی بات کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مستور رہے، ان کی یہ عبارت اوپر درج کی گئی ہے، ملاحظہ کرلیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک مرد اور عورت کے بیٹھنے کا طریقہ ایک ہونے کے باوجود، بعض کیفیتوں میں فرق ہے، تو ممکن ہیکہ حضرت اُم درداء کا بھی یہی مسلک ہو اور انہو ں نے بعض کیفیتوں میں مرد کی طرح بیٹھا ہو اور اسی طرف حضرت مکحول رحمۃ اللہ اشارہ فرماتے ہوں۔

الغرض! اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اُم درداء پورے طور پر مرد کی

---

(۱) ثقات ابن حبان: ۵/۷۱۵، تهذيب التهذيب: ۱۲/۷۶۴

طرح بیٹھتی تھیں؛ بل کہ حضرت مکحول رحمہ اللہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ام درداء بعض کیفیتوں میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں اور یہ بھی ایک مسلک ہے اور ایک مسلک وہ بھی ہے، جو احناف نے اختیار کیا ہے کہ مرد وعورت کے بیٹھنے کے طریقے میں زیادہ فرق ہے اور ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے اور ہمارا مقصود احناف کے نقطۂ نظر سے عورت کا طریقۂ نماز پیش کرنا ہے۔

ضمیمہ

[نوٹ: غیر مقلدین کے ایک ماہنامے "التوعیۃ" دہلی کے شمارہ بابت: مئی ۱۹۹۰ء میں اس کے اڈیٹر "جناب رفیق احمد سلفی" نے مرد وعورت کی نماز میں فرق کے عنوان پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس سلسلے کی روایات پر ضعف کا حکم لگایا تھا اس پر احقر نے ان کے نام ایک خط میں تنقید کی تھی، جو مفید ہونے کی وجہ سے بطورِ ضمیمہ شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ [محمد شعیب اللہ خان]

بخدمت "جناب رفیق احمد سلفی صاحب" زید مجدہ اڈیٹر ماہنامہ "التوعیۃ"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج بخیر ہونگے!

"التوعیۃ" مئی ۱۹۹۰ء کا شمارہ نظر سے گذرا، جس میں آپ نے "مرد وعورت کی نماز میں فرق واختلاف" کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ان تمام روایتوں کو ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے، جو مرد وعورت کی نماز میں فرق بیان کرتی ہیں، اس پر میری کچھ گذارشات ہیں، امید ہے کہ آپ اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

ا – ”إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها علىٰ فخذها الأخرىٰ الخ“، جو بیہقی نے ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی کے طریق سے روایت کی ہے، اس کو آپ نے ابو مطیع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور آپ نے اس راوی کے متعلق جرحوں کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا ہے؛ مگر تعجب ہے کہ آپ نے اس راوی کی تعریف سے قطعاً گریز واحتراز کیا؛!! حالانکہ کسی راوی کے بارے میں ائمہ نے اختلاف کیا ہو، تو صرف ایک کو ذکر کرنا علمی دنیا میں عیب شمار کیا جاتا ہے۔

علامہ ذہبی نے ابان بن یزید کے ترجمے میں ابن الجوزی پر رد کرتے ہوئے اسی کو لکھا ہے:

” لم يذكر أقوال من وثّقه، وهذا من عيوب كتابه، يسرد الجرحَ ويَسْكُتُ عن التوثيق“.(۱)

ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی کے معاصر اور بہت قریب سے ان کو دیکھنے والے مشہور و معروف محدث امام ابن المبارک رحمہ اللہ کا معاملہ ابو مطیع کے ساتھ کیا تھا؟ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

” كان ابن المبارك يُعَظِّمُهُ ويُبَجِّلُهُ لدينه وعلمه“.(۲)

غور کرنا چاہیے کہ ابن مبارک رحمہ اللہ جس کی تعظیم و تکریم دین وعلم کی بنیاد پر کریں، اس کا دین وعلم کیسا کچھ نہ ہوگا؟ پھر ابن مبارک رحمہ اللہ اس میں متفرد نہیں ہیں؛ بل کہ حافظ ہی نے نقل کیا ہے کہ :”روي عنه محمد بن مقاتل وموسىٰ بن نصر، وكانا يُبَجِّلانِه.(۳)

(۱) ميزان الإعتدال: ۱/ ۱٦

(۲) لسان الميزان: ۲/ ۴۰۷

(۳) لسان الميزان: ۲/ ۴۰۹

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس دور میں علم سے ''قرآن وحدیث'' اور دین سے ''اہلِ سنت ہی کے عقائد'' مراد ہوا کرتے تھے؛ لہٰذا ابن مبارک رحمۃ اللہ کے نزدیک حکم بن عبد اللہ قرآن وحدیث کے علم اور اہلِ سنت کے عقائد کے حامل تھے، جس کی بنا پر وہ ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ اس وزنی شہادت کے بعد ان کو جہمی ومرجی قرار دینے والوں کی بھلا کیا حیثیت رہ جاتی ہے، جو اکثر حکم بن عبد اللہ کے بہت بعد کے ہیں؟

پھر ان پر '' واہٍ في ضبط الأثر ''کی جرح کیا اثر کرسکتی ہے؛ جب کہ عقیلی نے ان پر ارجا کی جرح کے ساتھ یہ بھی کہا ہے ''**صالح في الحدیث**''(۱)

پھر ارجا کا یہ الزام ان پر کچھ حقیقت بھی رکھتا ہے یا محض الزام ہے؟ اور یہ کہ ارجاء کی حقیقت کیا ہے؟ یہ مستقل بحثیں ہیں۔

لگانے والوں نے ان پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ وہ سنت اور حدیث سے بغض رکھتے تھے؛ مگر ذہبی نے ''العبر'' میں نقل کیا ہے: '' **بلغنا أنّه من کبار الأمّارین بالمعروف والناهین عن المنکر**''(۲)

غور فرمایا جائے کہ جو ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کے علم برداروں میں سے خاص مقام رکھتا ہو، وہ سنت اور حدیث سے بغض رکھ سکتا ہے؟ پھر آخر وہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا علم بردار کیوں کر ہوگا؟ اس میں ہماری بھی وہی رائے ہے، جو علامہ عبد الحی لکھنوی کی ہے کہ

'' **لعلّ هذا التحامُل علیه من المحدثین لکونه من أصحاب الإمام**

---

(۱) لسان المیزان: ۲/۴۰۸

(۲) الفوائد البهیة: ۳۲

أبي حنيفة رحمہ اللہ "(۱)

اگراس کو ماننے میں کسی کو تأمل وتردد ہو،تو کم از کم یہ کہنا چاہیے کہ حکم بن عبداللہ بلخی مختلف فیہ روای ہیں اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے ،دیکھیے ابنِ حجر ابن القطان سے عبداللہ بن صالح کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

" قال ابن القطان وهو صدوق ولم يثبت عليه ما يسقط له حديثه إلا أنه مختلف فيه، فحديثه حسن"(۲)

الغرض! حکم بن عبداللہ کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں؛ لہٰذا ان کی روایت بھی ضعیف قرار نہیں دی جاسکتی؛ بل کہ حسن ہوگی۔

۲- "عن يزيد بن أبي حبيب: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ على امرأتين تُصَلِّيَانِ الخ " جس کو ابوداود نے مراسل (ص:۸) میں روایت کیا ہے،اس کے نا قابلِ احتجاج ہونے کی دو وجوہ آپ نے بیان کی ہیں، ایک یہ کہ اس میں انقطاع ہے، دوسرے اس کا راوی سالم بن غیلان متروک ہے۔

مگر آپ کی دونوں باتیں مخدوش ہیں ،اول اس لیے کہ یہاں انقطاع سند کے شروع حصہ میں ہے ،جس کو" اِرسال" کہا جاتا ہے اور مرسل روایت جمہور کے نزدیک مقبول ہے، امام ابوحنیفہ ،امام مالک اور ان کے متبعین رحمہم اللہ اس کو مقبول قرار دیتے ہیں۔(۳)

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہی ہے۔(۴)

---

(۱) الفوائد البهية: ۳۲

(۲) تهذيب التهذيب: ۵/ ۲۶۰

(۳) مقدمةابن الصلاح: ۲۲

(۴) نزهة النظر: ۵۴

امام ابوداوٗداپنے خط میں، جوانہوں نے اہلِ مکہ کوارسال فرمایا تھا،تحریر کرتے ہیں:

" أماالمراسيل فقد كان يحتج بها العلماءُ فيما مضٰى مثل سفيان الثوري، ومالک ، والأوزاعي، ثم جاءَ الشافعي فتكلم فيها"(۱)

پھر جب مرسل کی تائید کسی اورموصول روایت یا مرسل روایت سے ہوجائے ،تو سبھی علما اس کے مقبول ہونے کے قائل ہیں اور یہاں اس کی تائید خودآپ کی پیش کردہ دوسری روایات سے ہورہی ہے ،تو پھراس کو نا قابلِ احتجاج کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

علامہ نووی رحمہ اللہ شرحِ مسلم کے "مقدمہ" میں لکھتے ہیں:

" ثم مذهب الشافعي ، والمحدثين،وجمهورهم، وجماعة من الفقهاء أنه لايحتج بالمرسل ، ومذهب مالک ، وأبي حنيفة، وأحمد، وأكثر الفقهاء أنه يحتج به. ومذهب الشافعي أنه إذاانضمّ إلى المرسل مايعضده احُتُجّ به، وذلک بأن يُروٰى أيضاً مسنداً ، أو مرسلاً من جهة أخرى ، أو يعمل به بعض الصحابة ، أو أ كثر العلماء ".(۲)

اور یہاں تو اس کی تائید دوسری روایات سے بھی ہورہی ہے،اورعلما کے اس کے مطابق عمل سے بھی ہورہی ہے؛ کیوں کہ مرد وعورت کی نماز میں فرق تمام ائمہ کا مذہب ومسلک ہے، میں ان کی کتابوں سے عبارات نقل کرتا؛مگر تطویل کے خوف سے صرف امام شافعی کی ایک عبارت پر اکتفا کرتا ہوں،آپ فرماتے ہیں:

"وقدأدب الله تعالىٰ النساء بالإستتار، وأدّبهُنَّ بذلک رسول الله صلى الله عليه وسلم وأحبَّ للمرأة في السجود أن تضمّ بعضها إلى

(۱) مقدمة سنن أبي داؤد:٦

(۲) مقدمة شرح مسلم :١٧

بعض، وتلصق بطنها بفخذيها، وتسجد كأستر مايكون لها، وهكذا أحبّ لها في الركوع، والجلوس، وجميع الصلاة أن تكون فيها كأستر ما يكون لها ، وأحبّ أن تكفت جلبابها، وتجافيه راكعةً وساجدةً عليها، لئلا يصفها ثيابها''.(۱)

اس کے علاوہ شافعی مذہب کی کتاب ''المنهاج ''اور اس کی شرح ''مغني المحتاج: ۱/۳ ۱۷ ''،اور''إحياء العلوم: ۱ ۱۵۴۳ ''اور مالکی مذہب کی کتاب ''رساله ابن ابی زید''اور اس کی شرح''للإمام أبی الحسن : ۱/۲۱۷'' اور اس کی شرح ''كفاية الطالب الرباني: ۱/ ۲۱۸'' اور حنبلی مسلک کی کتاب'' الروض المربع :۵۷''دیکھیے اندازہ ہوگا کہ سب ہی علما ان روایات کی بنا پر مرد وعورت کی نماز میں فرق کے قائل ہیں؛ پھر یہ روایتِ مرسلہ کیوں قابل قبول نہ ہوگی؟

رہا سالم بن غیلان کا متروک ہونا، یہ صرف دارِقطنی کی رائے ہے اور دوسرے ائمۂ فن نے سالم کی توثیق فرمائی ہے۔ابنِ حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔(۲)

اور ابنِ حجر نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:''ذكره ابن حبان في الثقات''،اور ابن حجر ہی نے امام احمد اور امام ابو داؤد سے ان کے بارے میں ''لاباس به'' نقل کیا ہے،اسی طرح نسائی سے بھی ''ليس به باس''نقل کیا ہے اور ابنِ یونس نے ان کو فقیہ کہا اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔(۳)

---

(۱) كتاب الأم للإمام الشافعي : ۱/ ۱۱۵

(۲) ثقات ابن حبان:۸/ ۲۹۴

(۳) تهذيب التهذيب :۳/ ۴۴۲-۴۴۳

اور ''لا بأس به ''کا توثیق کے لیے استعمال متقدمین میں رائج تھا۔ (**کما لایخفی علی المهرة**)

اب غور کرنا اس پر ہے کہ ان سب حضرات کی توثیق کے مقابلہ میں دارِقطنی کی تضعیف اتنی وزن دار قرار کیوں دی گئی کہ اس پر اس روایت کونا قابلِ قبول قرار دے دیا گیا؟ اور یہ کہنا کہ ''جرح'' ''تعدیل'' پر مقدم ہوتی ہے، صحیح نہیں ؛ کیوں کہ یہ علی الاطلاق نہیں ہے؛ بل کہ اس وقت ہے جب کہ جرح مفسَّر ہو اور یہاں جرح مفسَّر نہیں ہے، تو کیوں کر اس جرح کو تعدیل پر مقدم کیا جاسکتا ہے؟۔ الغرض! اس روایت کو مذکورہ وجوہ سے ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے، غور فرمالیں۔

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت: ''**إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها**'' کے راوی الحارث بن عبداللہ الاعور کے بارے میں بھی حسبِ سابق آپ نے صرف جرح نقل کی ہے اور حق یہ ہے کہ آپ نے انصاف نہیں کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ تہذیب میں ابن حجر نے ان کے بارے میں جو لکھا، وہ آپ کی نظر سے رہ گیا ہو، آخر اس کو نظر انداز کرنے کی کیا حاجت تھی؟

ابنِ حجر نے ابنِ معین سے ان کے بارے میں ''**لابأس به**'' نقل کیا ہے، ابن ابی داؤد نے کہا کہ :'' **كان الحارث أفقه الناس، وأحب الناس، وأفرض الناس، تعلّم الفرائض من علي** رضی اللہ عنہ '' ،اور لکھا ہے:'' **قال ابن أبي خيثمة : قيل ليحيىٰ:**

يحتج بالحارث؟ فقال: ''مازال المحدثون يقبلون حديثه'' .

جس کی روایتِ حدیث محدثین کے یہاں مقبول چلی آرہی ہو، اس پر ایک دم سے حملہ کردینا کہاں کا انصاف ہے؟ ابن حجر ہی لکھتے ہیں:

''**قال ابن شاهين في الثقات : قال أحمد بن صا لح المصری :**

الحارث الأعور ثقة، ماأحفظه ، وما أحسن ما روى عن علي ، وأثنى عليه ، قيل له: فقد قال الشعبی: كان يكذب، قال: لم يكن يكذب في الحديث، إنّما كان كذبه في رأيه".(۱)

ان سب چیزوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھلا ان کونظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

۴- **"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ كان يأمر النساء أن يتربعن في الصلاة"**

اس کے راوی عبداللہ بن عمر العمری کو آپ نے حسبِ سابق ضعیف قرار دیا ہے؛ جب کہ ان کی بھی ابن معین، یعقوب، ابن عدی، عجلی، ابن یونس، احمد ابن حنبل، اور خلیلی نے توثیق وتعریف کی ہے۔(۲)

اور ابنِ عمار الموصلی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے: **" لم يتركه إلايحيٰ بن سعيد"** (ایضاً)، اور علی بن المدینی جیسے ماہر نے یہاں کہا ہے کہ: **"إذا اجتمع يحيٰ بن سعيد، وعبد الرحمان بن مهدي على ترک رجل لم أحدث عنه، فإذااختلفا أخذتُ بقول عبد الرحمان لأنه أقصدُهما.(۳)**

اور عبدالرحمان بن مہدی نے عبداللہ بن عمر العمری کو ترک نہیں کیا؛ بل کہ ان سے روایت کیا ہے، تو علی بن المدینی کے بقول انہی کی بات اقصد واعدل ہے؛ پھر امام احمد نے کہا ہے کہ **"إذا حدث عبد الرحمان عن رجل فهو حجة".**(۴)

اب غور فرمائیں کہ ان سب باتوں کو نظر انداز کر دیا جانا چاہیے؟

---

(۱) تہذیب: ۱۴۶/۲-۱۴۷

(۲) تہذیب: ۳۲۷/۵-۳۲۸

(۳) تہذیب: ۲۸۰/۶

(۴) تہذیب: ۲۸۱/۶

یہ میری معروضات محض طالب علمانہ اور نیک جذبے سے ہیں، مناظرہ بازی مقصود نہیں؛ اُمید ہے کہ آپ ان پر غور فرما کر جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

نوٹ : یہ خط آج سے پندرہ سال قبل لکھا گیا تھا؛ مگر افسوس کہ تادمِ تحریر اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی
مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور
۱۹؍ ربیع الاول؍ ۱۴۱۱ھ